The Late Allama Barakat Ullah
M.A.F.R.A.S

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمـــَنِ الرَّحِيمِ

The Miracle of Cana of Galilee

A Reply to Objection Mullana Sana Ullah Amritsari

By

The Late Allama Barakat Ullah (M.A)

Fellow of the Royal Asiatic Society London

قانائے گلیل کا معجزہ

مصنفہ

علامہ برکت اللہ ۔ ایم ۔ اے

فیلوآف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۔ لندن

مصنف

محمد عربی، کلمتہ اللہ تعلیم ، نوری الہدیٰ ، توضیح البیان فی اصول القرآن، دین فطرت اسلام یا مسیحیت ؟ اسرائیل کا نبی یا جہان کا منجی ؟ دشتِ کربلا یا کوہِ کلوری ؟ صحتِ کتبِ مقدسہ، مسیحیت اور سائنس، مسیحیت کی عالمگیری، صلیب کے علمبردار، کیا تمام مذاہب یکساں ہیں ؟ توراتِ موسوی اور محمد عربی ، اصلیت وقدامت اناجیل اربعہ وغیرہ

1951

Urdu

فہرست مضامین

پہلی ایڈیشن کا دیباچہ

انجیل چہارم میں وارد ہے کہ ابن اللہ نے اپنی رسالت کی ابتدا قانائے گلیل کے معجزے سے کی۔اس گاؤں میں آپ نے بیاہ کے موقع پر ایک غریب خاندان کی حاجت کو یوں رفع کیا کہ پانی کو مسیحائی اعجاز سے انگور کے رس میں تبدیل کردیا۔

مخالفین مسیحیت اس معجزہ پر عموماً اعتراض کیا کرتے ہیں اورہم نے یہ کوشش کی ہے کہ اس رسالہ میں ان اعتراضات کی تفصیلی طور پر تنقید کی جائے۔ پس ہم نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے اعتراضات کو لے کر ان کا جواب دیا ہے کیونکہ مولوی صاحب کو شمالی ہند کے مسلمانوں میں بوجوہ چند درچند شہرت حاصل ہے۔ انہوں نے میری تین کتابوں کے جواب میں چند دقیانوسی اعتراضات پڑھ سنائےہیں۔ اسی سلسلہ میں قانائے گلیل کے معجزہ پر بھی نہایت دریدہ دہنی سے اعتراضات کئے گئےہیں ۔ ہم نے ان اعتراضات کو مطلقا قابل التفات نہ پایا کیونکہ بالفاظِ قادیانی ریویو آف ریلجنس ہمارا" انداز بیان مختلف تھا۔ لیکن مولوی صاحب کا انداز وہی قدیم مناظرانہ ہے جس کے بیان میں کوئی ندرت نہیں" پھر خیال آیا کہ اہل اسلام میں قحط الرجال اس قدر ہے کہ ہماری کتابیں قریباً تیس سال سے شائع ہو کر بزبان حال حل مب مبازر پکار رہی ہیں۔ لیکن قادیانی اور دیگر مسلمان مناظرین کا یہ حال ہے کہ توگوئی مردہ اند۔ خود مولوی صاحب بھی یہی رونا روتے ہیں (اسلام و مسیحیت صفحہ ۱ تا ۳) رو بہ میداں کس نمی آرد سواراں راچہ شد؟

پس ہم نے اس مجبوری کے ماتحت کہ " با ہمیں مرداں بباید ساخت" اس رسالہ میں آپ کے ان اعتراضات کا جواب لکھا ہے۔ جن کا تعلق قانائے گلیل کے معجزہ کے ساتھ ہے۔

معاًہمارے دل میں یہ خیال بھی آیا کہ مولوی صاحب کی عمر کی یہ آخری منزل ہے اور بموجب الفاظ قرآنی لاتقنطوامن رحمت اللہ (اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو) ہمیں فضل الہیٰ سے مایوس نہیں ہونا چاہیے ممکن ہے کہ مولوی صاحب اپنے اعتراضات کا جواب پڑھ کر "داعی اجل کو لبیک کہنے" سے پہلے توبہ کرلیں اورہم بھی روز حساب سرخرو ہوجائیں۔ پس ہم نے ان کی دریدہ دہنی سے قطع نظر کرکے اپنے کلیجے پر سل رکھ کر ان کے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔لیکن ہم اس کے ساتھ ہی آپ کو توبہ کی دعوت بھی دیتے ہیں ۔آپ نے اسلام کے "اولعزم رفیع المرتبت پیغمبر حضرت روح اللہ کی ایسی توہین وتنقیص کی کہ شرافت ماتم کناں اور انسانیت مرثیہ خواں ہے۔آپ تمام عمر اس قسم کے آزار مناظروں کے عادی رہے ہیں اور پیرانہ سالی میں اپنی طرز سے باز نہیں آسکتے۔

بقول حضرت غالب

گوہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تودم ہے
رہنے دوابھی ساغرومینامیرے آگے

مولوی صاحب کا رخ اور انداز ہم کو سورہ بقرہ کی مندرجہ ذیل آیات یاد دلاتا ہے کہ کاش کہ آپ ان کا " حدبر اور عنور" سے مطالعہ کریں اوراپنے گناہوں سے توبہ کرکے رجوع لائیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُواْ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لاَ يُؤْمِنُونَخَتَمَ اللّهُ عَلَى قُلُوبِهمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عظِيمٌوَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللّهِ وَبِالْيَوْمِ الآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ يُخَادِعُونَ اللّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلاَّ أَنفُسَهُم وَمَا يَشْعُرُونَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّهُ مَرَضاً وَلَهُم عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ (سورہ بقرہ ٦ تا ١٠ آیت)

ترجمہ: یعنی(مولوی ثناء اللہ صاحب جیسے) " لوگ جو کفر میں پڑے ہیں۔ ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا یکساں ہے۔ وہ ایمان نہیں لانے کے ۔ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے اوران کے کانوں پر اوران کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بھاری عذاب ہے۔ اور مولوی ثناء اللہ کی طرح بعض لوگ ہیں جو زبان سے تواقرار کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخری دن پر ایمان لائے۔ حالانکہ وہ اپنے دلوں میں یہ ایمان نہیں رکھتے ۔ اس قسم کے لوگ اللہ کو اور ایمان داروں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ صرف اپنے آپ کو ہی دھوکا دیتے ہیں اور عقل سے عاری ہیں ۔ان کے دلوں میں بیماری ہے۔ پس اللہ نے ان کی بیماری کو اور بھی بڑھا دیا ہے۔آئندہ جہان میں ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے کیونکہ وہ جھوٹ بکتے ہیں"۔

اسی روحانی تاریکی اور بیماری کی طرف حضرت کلمتہ اللہ نے اشارہ کیا جب آپ نے حضرت یسعیاہ نبی کے الفاظ کو اپنی زبان حقیقت ترجمان سے دہرایا اور فرمایا"۔ ان لوگوں کے حق میں یسعیاہ کی یہ پیشین گوئی پوری ہوتی ہے کہ تم کانوں سے سنوگے پر ہرگز نہ سمجھوگے اورآنکھوں سے دیکھوگے پر ہرگز معلوم نہ کروگے کیونکہ اس امت کے دل پر چربی چھاگئی ہے اور وہ کانوں سے اونچا سنتے ہیں اوراُنہوں نے اپنی آنکھیں بند کرلی ہیں تاایسا نہ ہو کہ وہ آنکھوں سے معلوم کریں اور کانوں سے سنیں اور دل سے سمجھیں اور رجوع لائیں اور میں ان کو شفا بخشوں (متی ١٣: ١٤)۔

کاش کہ مولوی ثناء اللہ صاحب ان الہیٰ ارشادات کو" کانوں سے سنیں اور دل سے سمجھیں اور رجوع لائیں اور" اور منجی کونین سے شفا حاصل کریں۔آمین ثم آمین۔

یکم دسمبر

۱۹۴۵ء برکت اللہ

انار کلی بٹالہ پنجاب۔

دوسرے ایڈیشن کا دیباچہ

اس رسالہ کی پہلی ایڈیشن کے شائع ہونے کے ڈیڑھ سال بعد ہمارے ملک کی تقسیم ہوگئی اور مولوی ثناء اللہ صاحب اپنے وطن امرت سر کو خیر باد کہہ کر مغربی پاکستان چلے گئے۔ سنا ہے کہ آپ وفات پا گئے ہیں۔ خدا مغفرت کرے۔

پس ہم نے اس ایڈیشن سے وہ تمام الفاظ او ر فقرات خارج کردیئے ہیں جن کا تعلق خاص آپ کی ذات سے تھا۔ لیکن ہم نے کوشش کی ہے کہ ان کے خارج ہونے سے رسالہ کے دلائل پر اثر نہ پڑے۔

خدا کرے کہ متلاشیانِ حق اس رسالہ کو پڑھ کر گمراہی سے بچیں اور صراطِ مستقیم اختیار کرکے نجات حاصل کریں۔

برکت اللہ

یکم اپریل ۱۹۵۱ء انار کلی بٹالہ۔شمالی ہند

باب اول
قانائے گلیل کا معجزہ اور مخالفین کے اعتراضات

مقدس یوحنا رسول کی انجیل میں لکھا ہے:

"پھر تیسرے دن قانائے گلیل میں ایک شادی ہوئی اور سیدنا مسیح کی والدہ وہاں تھی اور سیدنا مسیح اور ان کے شاگردوں کی بھی اس شادی میں دعوت تھی۔ اور جب مے ختم ہوچکی سیدنا مسیح کی ماں نے اس سے کہا کہ ان کے پاس مے نہیں رہی۔ سیدنا مسیح نے اس سے کہا" اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام ؟ ابھی میرا وقت نہیں آیا۔ اس کی ماں نے خادموں سے کہا جو کچھ یہ تم سے کہے کرو"۔

"وہاں یہودیوں کی طہارت کے دستور کے موافق پتھر کے چھ مٹکے رکھے تھے اوران میں دو دو تین تین کی گنجائش تھی۔ یسوع نے ان سے کہا۔ مٹکوں میں پانی بھر دو۔ پس انہوں نے ان کو لباب بھر دیا۔ پھر اس نے ان سے کہا ۔ کہ نکال کر میر مجلس کے پاس لے جاؤ۔ پس دولے گئے"۔

جب میر مجلس نے وہ پانی چکھا جو مے بن گیا تھا اور نہ جانتا تھا کہ یہ کہاں سے آئی ہے (مگر خادم جنہوں نے پانی نکالا جانتے تھے) تو میر مجلس نے دولھا کو بلا کر اس سے کہا ۔ ہر شخص پہلے اچھی مے پیش کرتا ہے اور ناقص اس وقت جب پی کر چھک گئے مگر تونے اچھی مے اب تک رکھ چھوڑی ہے۔

یہ پہلا معجزہ یسوع نے قانائے گلیل میں دکھا کر اپنا جلال ظاہر کیا اور اس کے شاگرد اس پر ایمان لائے" (باب ۲ آیات ۱ تا ۱۱)۔

مولوی ثناء اللہ صاحب اس معجزہ پر بالفاظ ذیل اعتراض کرتے ہیں۔

ونقل کفرُ کفُر نباشد۔

"بقول یوحنا مسیح نے اپنی والدہ مکرمہ کو ناک بھوں چڑھا کر مخاطب کیا تھا وہ قصہ سننے کے قابل ہے۔ اصل الفاظ یہ ہیں:۔

تیسرے دن قانائے جلیل میں کسی کا بیاہ ہوا اور یسوع کی ماں وہاں تھی اور یسوع اور اس کے شاگردوں کو بھی اس بیاہ میں دعوت تھی۔ جب مے(شراب) گھٹ گئی یسوع کی ماں نے اس سے کہا کہ ان کے پاس مے نہیں رہی۔ یسوع نے اس سے کہا۔ اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام میرا وقت ہنوز نہیں آیا۔

ناظرین اندازہ کرسکتے ہیں کہ یہ الفاظ" اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام" ادب کے ہیں یا سوادبی کے۔ پادری صاحب[1] کی طرف سے یہ عذر ہوسکتا ہے کہ وہ مجلس شراب خوری کی تھی۔ اس لئے اس کے اثر سے اگر یہ فقرہ منہ سے نکل گیا ہو تو قابلِ درگذر ہے۔

شیخ سعدی نے بھی اس لئے کہا ہے ع

محتسب گرمے خورد معذور دار و مست را

(کتاب اسلام اور مسیحیت صفحہ ۱۴۸)۔

مندرجہ بالا عبارت میں مولوی صاحب موصوف نے چار اعتراض کئے ہیں جن کے جواب ہم انشاء اللہ اس رسالہ میں مفصل دینگے ۔ وہ اعتراضات ان کے اپنے الفاظ میں حسب ذیل ہیں۔

اعتراض اول ۔" مسیح نے اپنی والدہ مکرمہ کو ناک بھوں چڑھا کر مخاطب کیا تھا"۔

اعتراض سوم۔ مسیح نے اپنی اعجازی طاقت سے جوشئے بنائی وہ "شراب" تھی۔

---

[1] خاکسار کی طرف اشارہ ہے (برکت اللہ)

اعتراض چہارم۔ " مجلس شراب خوری کی تھی۔ اس لئے اس کے اثر سے یہ فقرہ مسیح کے منہ سے نکل گیا"۔

ناظرین مولوی صاحب کے الفاظ پر غور فرمائیں اوران کی ہوشیاری کی داد دیں۔ آپ نے کس مناظرانہ چالاکی ہے یہ اعتراضات کئے ہیں۔ بالخصوص جس رنگ میں چوتھا اعتراض کیا گیاہے وہ فارسی مثل " منکرمے بودن وہم رنگ مستاں زیستن " کا مصداق ہے۔ مندرجہ بالاچاروں کے چاروں اعتراضات ایسے ناپاک حملے اور شرمناک کلمے ہیں جو کسی مومن مسلمان کے قلم سے ایک ایسے شخص کی شان میں جس کو وہ خود معصوم نبی، برگزیدہ رسول اللہ، کلمتہ اللہ اور روح اللہ مانتا ہونکلنے واجب نہیں۔ اس قسم کے اعتراضات ظاہر کرتے ہیں کہ مسلمان معترضین پر بھی آنجہانی مرزائے قادیانی کا سایہ پڑگیاہے۔ لیکن

کس نیاید بزیرسایہ بُوم — درہما ازجہاں شود معدوم

حق تو یہ ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے حضرت کلمتہ اللہ کے خلاف جو سب دشتم کا وطیرہ اختیار کررکھا تھا اس سے تو مرزائی تک تلملا اٹھے تھے۔ چنانچہ قادیان سے صدائے احتجاج بلند ہوئی کہ:

" ۲۶ دسمبر ۱۹۴۱ء کے اہل حدیث میں مولوی ثناء اللہ نے یہ افسانہ شائع کئے تھے ، مسیح سے دو گناہ سرزد ہوئے ۔ ایک شراب کی مجلس میں حاضر ہونا اور دوسرا اپنی ماں کی تعظیم کرنے کی بجائے اس کو توہین آمیز لفظوں سے مخاطب کرنا"۔ معلوم ہوتاہے کہ اس کے بعد مولوی ثناء اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کا ایک سلسلہ شروع کردیاہے اورایسے اندازمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیاہے جو نہایت ہتک آمیز ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ان کواس بات کاکچھ بھی احساس نہیں ہوا کہ وہ ایک ناردافعل کے مرتکب ہوئے ہیں"(الفضل ۴جون ۱۹۴۲ء)

" یہ قدرت کی طرف سے اس الزام کا جواب ہے جو مولوی صاحب مرزا صاحب پر لگایا کرتے تھے۔ کہ انہوں نے حضرت مسیح کی توہین کی ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے خود مولوی صاحب کو بھی اسی الزام سے ملزم ٹھیرایاہے"(الفضل ۲۲جولائی نیز دیکھو ۱۶ جولائی ۱۰ ستمبر ۱۹۴۲ء وغیرہ)۔

قادیانیوں کے ان الفاظ کا مولوی صاحب نے تادم مرگ کوئی جواب نہیں دیا۔

مولوی ثناء اللہ صاحب (خدا مغفرت کرے) کہنے کو توپیشہ ور مناظر تھے اورآپ نے اپنی عمر گرانمایہ مناظرہ میں ہی صرف کردی۔ لیکن پھر بھی آپ مسیحیوں کی کتب مقدسہ (جن پروہ خود برائے نام ایمان بھی رکھتے تھے) کی زبان تک سے ناآشنا تھے۔ چنانچہ آپ تورات ،زبور اور صحائف انبیاء کی اصل زبان عبرانی سے محض نا بلد۔ اور انجیل جلیل کی زبان یعنی یونانی کے حروف تہجی تک سے بیگانہ تھے۔ اگروہ عاقبت اندیشی کو کام میں لاکرمناظرہ کا پیشہ اختیار کرنے سے پہلے انجیل جلیل اوراس کی زبان سے سطحی واقفیت ہی حاصل کرنے کی زحمت گوارا کرلیتے تواس قسم کے ظنی اعتراضات نہ کرتے۔ قرآن میں مولوی صاحب جیسے لوگوں کے لئے ہی یہ وارد ہواہے۔ ان یبتغون الا الظن وان الظن لایقی من الحق شیاء۔ یعنی آپ محض ایک ظن کی پیروی کرتے ہیں اورظن کبھی حق بات میں کام نہیں آتا(سورہ نجم ۲۸آیت)۔

مولوی صاحب کے اعتراضات کی بنا کتاب مقدس کا وہ اردو ترجمہ ہے جو انگریزوں نے کیاہے اور برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی نے شائع کیاہے یہی وجہ ہے کہ آپ قدم قدم پر اعتراض کرنے میں لغزش کھاتےہیں۔

اگر کوئی گجراتی یا مرہٹی غیر مسلم قرآن کو عربی عبارت کے حروف تہجی تک سے ناآشنا ہو اور کسی گجراتی یا مرہٹی ترجمہ قرآن کی بناء پر (جو کسی شمالی ہند کے مسلمان نے کیا ہو) قرآن پر ایسے اعتراض کرے جن کا پول عربی زبان کے مبتدی پر بھی ظاہر ہولیکن اس پر بھی یہ غیر مسلم ودن کی لیکر اپنے آپ کو میدانِ مناظرہ میں یکتائے روزگار سمجھے تو کیا اس کی جگ

ہنسائی نہ ہوگی؟ خود مولوی صاحب ایسے شخص کو قابلِ خطاب بھی نہ سمجھتے۔ لیکن بعینہ یہ حال مولوی صاحب کا ہے۔ آپ صحف سماوی کی دونوزبانوں عبرانی اور یونانی کے حروف تہجی تک سے نا بلد تھے اور یہ خیال نہیں کرتے کہ آپ کی ناواقفیت زبان سے کیسے کرب انگیز الفاظ نکلوارہی ہے۔ اورآپ اللہ اوراس کی کتابوں اوراس کے رسولوں اور روزِ محشر پر ایمان رکھنے کے باوجود حضرت کلمتہ اللہ مسیح عیسیٰ ابن مریمہ وجیہاً فی الدنیا والاخرۃ ومن المقربین کی ذات پاک پر بے باکانہ ناپاک حملے کرتے رہے۔

اس رسالہ کے ناظرین پرظاہر ہوجائیگا کہ معترض کے بے معنی اعتراضات اس کی لاعلمی کی خود پردہ دری کرتے ہیں۔ سچ ہے

چوں خدا خواہد پروہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں برد

باب دوم

پہلا اعتراض

کیا سیدنا مسیح نے بی بی مریم کو ناک بھوں چڑھا کر مخاطب کیا تھا؟

پہلا اعتراض دراصل اعتراض نہیں بلکہ بہتانِ عظیم ہے۔ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ " بقولِ یوحنا مسیح نے اپنی والدہ مکرمہ کو ناک بھوں چڑھا کر مخاطب کیا تھا"(صفحہ ۱۴۸) ناظرین انجیل یوحنا کے دوسرے باب کی پہلی گیارہ آیت کو اس رسالہ کے باب اول میں پڑھ کر دیکھیں۔ کیا اس تمام عبارت میں کوئی فقرہ یا لفظ ایسا ہے جن سے مولوی صاحب یہ اخذ کرسکیں کہ آنخداوند نے مقدسہ مریم کو " ناک بھوں چڑھا کر مخاطب کیا تھا" ۔ اس مقام میں کونسا لفظ یا فقرہ ہے جو صراحتاً یا کنایتہً آپ کے اس عظیم بہتان کی تائید کرتا ہے؟ آپ نے خدا کے مقدس ترین رسول پر ایسا عظیم بہتان لگایا جس کے سہارے آپ نہ کوئی قرآنی آیت اور نہ انجیل جلیل کا کوئی لفظ پیش کرسکتے ہیں۔ھذا انک مبین۔ آپ نے افترا پردازی میں مرزا قادیانی عفر اللہ ذنوبہ کی کورانہ تقلید کی ہے۔ آپ نے کعبہ کی بجائے قادیان کو اپنا قبلہ بنالیا۔ اور محمد عربی کی بجائے احمدِ قادیانی کے ہاتھوں بک گئے۔ جس میں لکھاہے جو لوگ پاک دامنوں اور پارساؤں پر عیب لگاتے ہیں۔ لعنرفے الدنیا ولاخرۃ ولھمہ عذاب عظیمہ ۔ ان پر دنیا اور آخرت دونوں میں لعنت ہے اوران کے لئے سخت عذاب تیار ہے۔

باب سوم

دوسرا اعتراض

کیا سیدنا مسیح نے ماں کی بےادبی کی تھی؟

مولوی ثناء اللہ صاحب کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جن الفاظ میں آنخداوند نے اپنی والدہ مکرمہ کو مخاطب کیا تھاوہ " سوادبی "کے الفاظ ہیں اور وہ الفاظ حسب ذیل ہیں "اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام؟ میرا وقت ہنوز نہیں آیا۔"

مولوی صاحب کا یہ اعتراض سراسر یونانی زبان سے عدم واقفیت پر مبنی ہے۔ اگر آپ کو انجیل جلیل کی اصل زبان سے کچھ شُدبُد ہوتی توآپ ہر گز اعتراض نہ کرتے۔

مولوی صاحب کو انجیل کی یونانی زبان سے واقفیت بھی کیسے حاصل جبکہ آپ کو یہ خبط ہے کہ " انجیل اصل زبان میں ملتی نہیں"(رسالہ مسیحیت واسلام صفحہ ۱۷۴)۔ مولوی صاحب سینکڑوں دفعہ انارکلی۔ لاہور گئے ہوں گے۔ آپ نے بائبل سوسائٹی کی دکان میں جا کر اصل یونانی نسخہ کی فرمائش کی ہوتی۔ آپ یونانی کی ایک چھوڑ بیسیوں جلدیں خرید لیتے اور کچھ نہیں توگھر بیٹھے ایک کارڈ ہی لکھ کر اصل یونانی زبان کی انجیل کو حاصل کرلیا ہوتا۔ ہم مشورہ

دیتے ہیں ناظرین بائبل سوسائٹی لاہور سے مقدس یوحنا کی انجیل کا یونانی نسخہ بددترجمہ تحت اللفظی (اردو فارسی) مترجمہ مرحوم پادری ٹسڈل صاحب منگوا کر دیکھیں۔ نسخہ کا ہدیہ صرف ۴ ہے۔ اگر مولوی صاحب نے اتنی قلیل رقم خرچ کی ہوتی تو وہ اس قسم کی لغزشوں سے بچ جاتے۔ اللہ کی شان ۔ آپ کی عدم واقفیت کا تو یہ حال ہے ۔ لیکن اپنے منہ میاں مٹھوں اپنی تعریف میں آسمان وزمین کے قلابے دیتے ہیں (اسلام اور مسیحیت صفحہ ۷ ۲، صفحہ ۷۱ وغیرہ)

آنکس کہ نداند وبداند کہ بداند

درجہل مرکب ابدالدہر بماند

چونکہ مولوی صاحب یونانی زبان سے محض کورے ہیں اور آپ کا سارا دارومدار انجیل کے اردو ترجمہ پر ہے۔ لہذا آپ نے یہ اعتراض پیش کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آیہ زیر بحث کا اردو ترجمہ غلط ہے اور اس کی وجہ بائبل سوسائٹی کا وہ اصول ہے جس کو مد نظر رکھ کر یہ سوسائٹی دنیا کی زبانوں میں ترجمہ کرواتی ہے۔ وہ مترجمین کو ہدایت کرتی ہے کہ ترجمہ کرتے وقت وہ اصل کوشش کریں کہ جو ترجمہ وہ کریں وہ انگریزی ترجمہ کے الفاظ سے مطابقت رکھتا ہو۔ اس اصول کے مطابق مترجمین نے آیہ زیر بحث کا اردو ترجمہ سوسائٹی کے انگریزی ترجمہ کے مطابق کیا ہے۔

لیکن یہ انگریزی ترجمہ غلط ہے ۔ کیونکہ وہ اصل یونانی الفاظ کا صحیح مفہوم ادا نہیں کرتا۔ چنانچہ کینن[1] برنی صاحب کہتے ہیں کہ " عام مروج ترجمہ" مجھے تجھ سے کیا کام؟ اصل مفہوم کو ادا کرنے کی بجائے اس پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ ڈاکٹر ویمتھ کہتے ہیں " اس آیت کا موجودہ ترجمہ نہایت غلط ہے ۔ اصل الفاظ سے نہ درشتی ٹپکتی ہے اور نہ کسی قسم کی نکتہ چینی پائی جاتی ہے "۔ پروفیسر برکٹ[2] بھی یہی فرماتے ہیں۔ مشہور عالم ڈاکٹر رینسل بھی یہی کہتے

[1] Burney
[2] Burkitt

ہیں۔ ڈاکٹر پیک[3] اپنی مشہور تفسیر میں یہی بتلاتے ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں انگریز علماء نے جو انگریزی تراجم کئے ہیں ۔ وہ بائبل سوسائٹی کے ترجمہ سے مختلف ہیں۔ چنانچہ "بیسویں[4] صدی کا ترجمہ" میں آیہ زیر بحث یوں ترجمہ کی گئی ہے "۔آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟ ڈاکٹر ویمتھ [5] اس کا یوں ترجمہ کرتے ہیں۔"آپ اس معاملہ کو میرے ہاتھوں میں چھوڑدیں ؟ پروفیسر برکٹ فرماتے ہیں" اس آیت کا ترجمہ یہ ہے "مجھے اور تجھے اس بات سے کیا"؟ انجیل نویس کا ان الفاظ سے سوائے اس کے اور کوئی مطلب نہیں کہ " فکر نہ کرو۔ کچھ پرواہ نہیں ۔ سب انتظام ٹھیک طور پر ہوجائے گا" مرحوم آرچ بشپ ٹیمپل اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ " سب خیر" ہے(Readings in St. John vol 1 p36)

مشہور مصلح لوتھر[6] نے اپنی بائبل کے نسخہ کے حاشیہ میں اس آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے۔" مجھے اور تجھے کیا"؟ سر ولیم ریمزے[7] جیسا محقق یہی کہتا ہے کہ " لوتھر کا ترجمہ مجھے اور تجھے کیا؟ درست ہے"۔ رومی کلیسیا کا مستند ترجمہ یہ ہے " مجھے اور تجھے کیا؟ اور ڈاکٹر ساوٹر[8] اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں "۔ اس معمولی سی بات سے مجھے اور آپ کو کیا"؟ پادری کیمبل صاحب کہتے ہیں کہ اس آیت کا مفہوم روزمرہ کی زبان میں اس طرح ادا کرسکتے ہیں کہ۔" اماں جان کیا میں اور آپ اس معاملہ میں دخل انداز ہوسکتے ہیں"؟

پروفیسر ڈونسٹن اس آیت کا آبائے کلیسیا کی تحریرات کے متن کو پیش نظر رکھ کر یوں ترجمہ کرتے ہیں" اس بات سے مجھ کو اور آپ کو کیا؟"۔

ابتدائی مسیحی صدیوں میں ایک شخص نوفس نام ایک مصری شاعر تھا۔ اس نے پانچویں صدی میں انجیل چہارم کو منظوم کیا۔ یہ شاعر اپنے منظوم نسخہ میں یہ الفاظ استعمال

[3]
[4] Peaks
[5] Twentieth Century New Testament.
[6] Wejmeth
[7] William Ramsay
[8] Souter

کرتاہے۔"اے بی بی ۔مجھے یا تجھے اس بات سے کیا ؟" پروفیسر بلاس کا خیال ہے کہ نوفس شاعر کے پیش نظر چوتھی صدی کا کوئی یونانی نسخہ تھا۔ جس کے متن میں اس آیہ شریفہ کے یونانی لفظ καт بمعنی اور کے بجائے لفظ η بمعنی "یا" تھا۔ پروفیسر مذکور کے خیال میں یہی قرات درست بھی ہے ۔ اس قرات سے کم ازکم یہ تو معلوم ہوجاتاہے کہ نوفس اوراس کے ہمعصر اوران تمام مشرقی کلیسیاؤں کے سُر کا (جن کے لئے انجیل چہارم پہلی صدی میں لکھی اور پانچویں صدی میں منظوم کی گئی تھی) اس آیت سے کیا مطلب اخذ کرتے تھے۔

اگر کسی کے دل میں اب بھی شک رہ گیا ہو تووہ فاضل اجل پروفیسر گلاؤم [1] کے الفاظ پر غور کرے ۔ آپ کہتے ہیں کہ " اگر کوئی شخص ان الفاظ سے وہ مطلب اخذ کرتا ہے جو انگریزی ترجمہ کے الفاظ سے مترشح ہے تووہ یونانی زبان اور سیاق وسباق پر ظلم کرتاہے"۔

یہ علماء اسی اصول کے مطابق یہ ترجمے کرتے ہیں جو مولوی صاحب کے نزدیک بھی مسلم ہے۔ چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں کہ " یہ اصول منقول ہونے کے علاوہ معقول بھی ہے۔ کیونکہ کسی انگریزی کتاب کا ترجمہ کرنے کے لئے انگریزی محاورات کا لحاظ ضرور رکھا جائیگا۔ (رسالہ تفسیر بالرائے صفحہ ۴)جزاک اللہ وبارک اللہ ۔ پس بائبل سوسائٹی کا مروجہ ترجمہ اورآپ کے اعتراضات دونوں غلط ہے۔

آیہ شریفہ کی اصل یونانی عبارت اوراس کا ترجمہ

(۱ ۔)ہم مولوی ثناء اللہ صاحب کی خاطر آیہ شریفہ کی اصل یونانی عبارت اوراس کا تحت الفظی اردو ترجمہ ذیل میں لکھ دیتے ہیں۔ تاکہ مولوی صاحب کی تشفی ہوجائے ۔آیت کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

"ٹی ایموے کئے سوئیے گونئے"۔

Tι εοι και νοι γυνιι

اب معترضین ہی خدا لگتی کہیں کہ کیا اصل الفاظ اوراس کے تحت اللفظی ترجمہ سے" سوادبی" کی بو بھی آسکتی ہے؟

(۲)

مولوی صاحب تو یہ عذر بھی پیش نہیں کرسکتے کہ آپ زبان یونانی نہیں جانتے ۔ کیونکہ اگرچہ یونانی آپ کی تعلیمی نصاب میں داخل نہ تھی۔ تاہم آپ کم ازکم عربی زبان سے تو واقف ہیں اور عربی کی انجیل آپ کے پاس موجود ہے۔(اہل حدیث ۵جون ۱۹۴۲ء) اگر آپ کا حقیقی مقصد حضرت روح اللہ کی فضیحت کرنا نہیں بلکہ تحقیق حق ہوتا توآپ نے عربی کی انجیل کو ہی کھول کر دیکھ لیا ہوتا کہ اس میں آیہ زیر بحث کا کیا ترجمہ کیا گیاہے۔ اس میں یہ ترجمہ ہے:

فقال لھا یسوع مالی ولک ایتھا المراۃ لماتات ساعتی (ترجمہ ۱۸۳۱ء)۔

یہی ترجمہ مالی ولک اس ایڈیشن میں ہے جو ۱۸۷۳ء میں بیروت میں چھپی تھی۔یہی ترجمہ مالی ولک اس ایڈیشن میں ہے۔ جورومی کلیسیانے بیروت میں ۱۸۷۹ء میں چھپوایا تھا۔ جو ترجمہ بیروت میں ۱۹۴۶ء میں چھپاہے اس میں اس آیت کا عربی ترجمہ یہ ہے:

قال لھا یسوع مالی وللربا امراۃ لمہ تات ماعبتی بعد کیا اس عربی ترجمہ سے جو یونانی کا لفظی ترجمہ ہے) یہ معلوم ہوتاہے کہ یہ الفاظ " بے ادبی" کے الفاظ ہیں ؟ آپ نے اعتراض کرنے سے پہلے انجیل کے عربی ترجمہ کو کیوں نہ دیکھ لیا ؟آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت کلمتہ اللہ کی مادری زبان ارامی تھی اورآپ کے ارامی الفاظ جن میں آپ نے حضرت مریم صدیقہ کو مخاطب کیا تھا بعینہ وہی الفاظ تھے جو عربی ترجمہ میں وارد ہوئے ہیں یعنی ارامی الفاظ مالی ولک جن کا لفظی ترجمہ انجیل یونانی کے متن میں موجودہے اگرمولوی صاحب محض اعتراض کرنے پر تلے ہوتے اورآپ کو حقیقت کی تلاش منظور ہوتی توآپ اس اعتراض کی اصل حقیقت کو عربی ترجمہ ہی سے پالیتے اور یونانی زبان سے بیگانہ ہونے کے باوجود آپ پر

---

[1] Gulloume

یہ عقیدہ کھل جاتا کہ اصلی الفاظ جن میں کلمتہ اللہ نے صدیقہ کو مخاطب کیا تھا ان میں سوادبی کانام ونشان بھی موجود نہیں۔

(۳)

معترض کی مزید تشفی کے لئے ہم بتلائے دیتے ہیں کہ الفاظ زیر بحث عہد عتیق کے مستند یہودی ترجمہ "یعنی ترجمہ سبعینہ (سیپٹواجینٹ) میں چھ مقامات میں وارد ہوئے ہیں اورانجیل جلیل میں چھ مقامات میں وارد ہوئے ہیں۔ پس تمام کتاب مقدس میں یہ الفاظ بارہ دفعہ آئے ہیں۔ اور ان سب مقامات پر غور کرنے سے یہی پتہ چلتاہے کہ ان الفاظ کا ترجمہ" مجھے تجھ سے کیاکام غلط ہے۔ یہ مقامات حسب ذیل ہیں۔

(۱-) قضاۃ ۱۱: ۱۲- یہاں افتاح بنی عمون کے بادشاہ کے پاس صدائے احتجاج بلند کرکے پیغام بھجواتاہے کہ اے بادشاہ میں نے تیرا کیا بگاڑاہے جو تو مجھ پر چڑھائی کرنے کرنے آیا ہے۔ کیا یہا ں افتاح "سوادبی " کا مرتکب ہورہا ہے؟(۲) و(۳) -(۲-سیموئیل ۱۶: ۱۰-۱۹: ۲۲) ایک شخص حضرت داؤد پر لعنت کرتا ہے اور ضرویاہ کے غیور سرفروش بیٹے حق نمک ادا کرنے کے لئے حضرت سے اس کے قتل کی اجازت طلب کرتے ہیں لیکن آپ ان جانثاروں کو اس فعل سے باز رکھنے کے لئے الفاظ زیر بحث استعمال کرتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے الفاظ زیر بحث کا یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ حضرت داؤد، اوران کے عقیدت مند نمک خواروں میں کوئی تعلق نہیں اور نہ کوئی صحیح العقل شخص یہ خیال کرسکتاہے کہ حضرت اپنے کمان افسروں کی شان میں" سوادبی" کررہے ہیں؟

(۴-) ۱-سلاطین ۱۷: ۱۸- حضرت ایلیاہ نبی نے صارپت کی بیوہ کے خاندان کو اعجازی طور پر بھوکا مرنے سے بچایا اور جب اس کا لڑکا بیمار ہوا تو وہ الفاظ زیر بحث میں حضرت کو خطاب کرتی ہے۔ موٹی سے موٹی عقل رکھنے والے پر یہ ظاہر ہے کہ بیچاری بیوہ کا مطلب نبی کی شان میں بے ادبی کرنا نہیں تھا۔ اور نہ اس کا یہ مطلب تھا کہ اس کا نبی کے ساتھ کسی قسم کا واسطہ یا تعلق نہیں ہے۔ اس کے برعکس وہ اپنی قسمت کے ہاتھوں نالاں ہے اور نہ نبی سے امداد کی خواہاں ہے۔

(۵-) ۲سلاطین ۲: ۱۳- یہاں حضرت الیشع شاہ اسرائیل کو مخاطب کرکے الفاظ زیر بحث استعمال کرتاہے۔ اس جگہ ترجمہ" مجھے تجھ سے کیا کام "؟ درست ہے اوراس کے معنی یہ ہیں ۔ اے بادشاہ تونے خدا کو ترک کردیا ہے پس تیرا میرے ساتھ کوئی واسطہ اور تعلق نہیں۔

(۶-) ۲ تواریخ ۳۵: ۲۱ اس مقام پر شاہ اسرائیل کے بادشاہ کے لئے زیر بحث الفاظ استعمال کرتاہے۔ جن سے اس کی مراد یہ نہیں کہ مجھے تجھ سے کیا کام۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میری تیرے ساتھ کوئی دشمنی اور خصومت نہیں۔ میرے اور تیرے درمیان رابطہ اتحاد اور دوستی ہے اورہم دونوں اتحادی ہیں۔ یہاں دونوں بادشاہوں میں کسی قسم کا تخالف مقصود نہیں ہے۔ اور" سوادبی" کا توذکرہی کیا؟

انجیل جلیل میں یہ الفاظ آیہ زیر بحث کے علاوہ ذیل کے مقامات میں وارد ہوئے ہیں۔

متی ۸: ۲۹- مرقس ۱: ۲۴، ۵: ۷- لوقا ۴: ۳۴- ۸: ۲۸

ان تمام مقامات میں شیاطین اور ارواح بد الفاظ زیر بحث آنخداوند کو مخاطب کرتی ہیں۔ جب آپ ان کو"جھڑک کر" انسانوں میں سے نکالتے ہیں سیاق وسباق سے ظاہر ہے کہ شیاطین اور ارواح بد کا ان الفاظ سے مفہوم منت وسماجت اور زاری اورعاجزی اورلاچاری کا اظہار کرتا ہے ۔ان کی غرض کلمتہ اللہ سے درُشتی اور سختی یا با الفاظ مولوی صاحب" ناک بھوں چڑھانا" نہیں ہے۔ نہ ان کا مقصد حضرت کلمتہ اللہ کی شان میں" سوادبی" کرنا ہے اس کے برعکس وہ آپ کی ذات پاک کے حضور اپنی بے بسی ، لاچاری اور بدی کا اقرار کرکے مانتی ہیں کہ آپ" خدا تعالیٰ کے بیٹے" اور "خدا کے قدوس" ہیں کلمتہ اللہ کے ہم عصر

"حیران ہو کر کہتے ہیں -" یہ کلمتہ اللہ کیسا ہے کہ وہ اختیار اور قدرت سے ناپاک روحوں کو حکم دیتا ہے اور نکل جاتی ہیں"(لوقا ۴: ۳۶)۔

مندرجہ بالا بارہ مقامات میں عربی ترجمہ بائبل میں یونانی اصل کا لفظی ترجمہ کیا گیا ہے۔ یعنی مالی ولک ۔مالی ولکمہ مالنا ولک لیکن اردو کے مترجمین نے ۱۹۳۰ء کے ایڈیشن میں بائبل سوسائٹی کے اصول اور ہدایت کے مطابق ہر جگہ ان الفاظ کا ترجمہ " مجھے تم سے کیا کام"-" ہمیں تجھ سے کیا کام" کیا ہے۔ سیاق وسباق ظاہر کرتا ہے اور سطور بالا میں ہم نے ثابت کردیا ہے کہ اردو میں ان الفاظ کا ترجمہ ہر مقام پر یکساں نہیں ہونا چاہیے تھا بلکہ مختلف مقامات میں مختلف طرح پر اقتضائے مقام کے مطابق ترجمہ کرنا چاہیے تھا۔ مترجمین کو چاہیے تھا کہ جیسا موقع ہوتا ویسا ہی الفاظ سے جو مراد ہے وہ صاف اور عام فہم الفاظ میں ادا کرتے۔ لیکن مترجمین نے مفہوم اور مطلب کو سوائے ایک مقام کے ہر جگہ یکساں ترجمہ کرنے کے اصول پر قربان کردیا ہے۔

انجیل جلیل میں ایک اور مقام ہے جہاں گو بعینہ الفاظ زیر بحث استعمال نہیں ہوئے لیکن اس جگہ وہی الفاظ صیغہ متکلم کی بجائے صیغہ غائب میں استعمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ مقدس متی کی انجیل میں ہے " جب پلاطوس تختِ عدالت پر بیٹھا تو اس کی بیوی نے اسے کہلا بھیجا کہ تو اس راستباز (یسوع) سے کچھ کام نہ رکھ----۔سردار کاہنوں اور بزرگوں نے لوگوں کو ابھارا کہ یسوع کو ہلاک کرائیں"۔ جب پلاطوس نے دیکھا کہ کچھ بن نہیں پڑتا ۔ بلکہ الٹا بلوہ ہوا جاتا ہے تو پانی لے کر لوگوں کے روبرو اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا میں اس راستباز کے خون سے بری ہوں ۔ تم جانوں" (متی ۲۷: ۱۹تا ۲۴) اس مقام میں منجئی عالمین اور رومی گورنر میں کوئی تخالف مقصود نہیں اور نہ کسی قسم کی سختی اور درُشتی کے خیال تک کی گنجائش ہے۔

عربی بائبل میں آیت ۱۹ کا ترجمہ یوں ہے۔ لیس شی لک وذلک الصدیق یہ آیت مولوی ثناء اللہ صاحب کے اعتراض کو رفع کرنے کے لئے کافی اور وافی ہے۔ یہاں نہ پلاطوس کی بیوی اپنے خاوند کے حق میں سوادبی کرتی ہے اور نہ اس کی یہ مراد ہے کہ پلاطوس منجئی عالمین کے ساتھ بے ادبی سے پیش آئے۔ اس کے برعکس پلاطوس کی بیوی اپنے خاوند سے جس کے ہاتھ میں مسیح کی زندگی اور موت ہے (یوحنا ۱۹: ۱۰) یہ درخواست کرتی ہے کہ وہ ملزم کی مدد کرے اور اہل یہود کی غوغا آرائی کی پروا نہ کرکے مظلوم کی دادرسی کرے اور حق اور انصاف پر قائم رہے۔

مسیحیوں اور مسلمانوں یعنی فریقین کے نزدیک یہ اصولِ تفسیر مسلم ہے کتاب اللہ کی آیات کا صحیح مفہوم معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے دیگر مقامات پر غور کیا جائے جہاں وہی الفاظ مستعمل ہوئے ہیں۔ تاکہ دیگر مقامات کی روشنی میں ان الفاظ کا صحیح مفہوم متعین ہوسکے۔ چنانچہ مولانا روم فرماتے ہیں

ع معنی قرآں از قرآں پُرس بس

آپ کے حریف مرزائے قادیانی بھی کہتے ہیں " مومن کا کام نہیں کہ تفسیر بالرائے کرے بلکہ قرآن شریف کے بعض مقامات بعض دوسرے مقامات کے لئے خود تفسیر اور شارح ہیں"(خزینتہ الفرقان صفحہ ۳۴۲)

اسی صحیح اصول تفسیر کے مطابق ہم نے کتاب مقدس کے ان تمام مقامات پر غور کیا ہے جہاں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں تاکہ ان مقامات کی روشنی میں آیہ زیر بحث کے اصل مفہوم کا پتہ لگ جائے ۔ اس صحیح اصول کی روشنی میں غبی سے غبی شخص بھی کتاب مقدس کی زبان اور محاورہ سے خود دیکھ سکتا ہے کہ معترض کا اعتراض کس قدر لغو اور بے بنیاد ہے۔

وہ بھی ہوگا کوئی امید برآئی جس کی
اپنا مطلب تو نہ اس چرخِ کہن سے نکلا

آیہ شریف کا مطلب

قانائے گلیل میں ایک گاؤں تھا جو ناصرت سے تین کوس شمال مغرب کی جانب واقع تھا۔ وہاں ایک شادی تھی ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جس خاندان میں شادی تھی اس کا تعلق سیدنا مسیح کے خاندان سے تھا۔ انجیل مرقس میں آیا ہے کہ ناصرت کے باشندے کہتے تھے کہ آنخداوند کی بہنیں یہاں ہمارے ہاں ہیں (٦ : ٣) جرمن عالم ذاہن کا خیال ہے کہ آنخداوند کی بہنیں معہ اپنے خاندانوں کے تین کوس پر قانائے گلیل میں جا بسی تھیں۔ بہر حال واقعہ کے پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بی بی مریم صدیقہ کا اس خاندان سے جس میں شادی تھی گہرا تعلق تھا کیونکہ آپ مہمانوں کے کھانے پینے کی اشیاء کی نسبت متفکر اور متردو تھیں اور آپ نے منتظمین کو ہدایت کی تھی کہ وہ آنخداوند کے ارشاد کے مطابق عمل کریں۔

اہلِ یہود میں بیاہ شادی کی خوشی عموماً ١٢ روز یا ٧ روز تک کی جاتی تھی (قضاۃ ١٤ : ١٢۔ توبت ١١ : ١٩) لیکن غریب گھروں میں شادی کی تمام رسوم ایک ہی دن میں ختم ہوجاتی تھیں۔ جس طرح پنجاب میں مہمانوں کی آؤ بھگت چائے اور شربت سے کی جاتی ہے ارضِ مقدس میں انگور کے رس سے مہمانوں کی تواضع کی جاتی تھی۔ جن کے گھر میں شادی تھی وہ امیر کبیر تو تھے نہیں (متی ١٣ : ٥٥، ٥٦) انگور کا رس ختم ہوگیا۔ ام المومنین بی بی مریم صدیقہ پریشان خاطر ہو کر اپنے بیٹے کے پاس آئیں۔ کیونکہ آپ نے اپنے بیٹ کو ہمیشہ ایک عاقل مشیر اور دانا صلاح کار پایا تھا۔ جو آڑے وقت گھریلو مشکلات کو اپنی ذکاوت طبع سے رفع کردیا کرتا تھا۔ آپ آنخداوند سے متفکرانہ لہجہ میں فرمانے لگیں۔ بیٹا! ان کے پاس انگور کا رس اتنا نہیں رہا کہ تمام مہمانوں کے لئے کفایت کرے۔ اب کیا کیا جائے؟ حضرت کلمتہ اللہ نے اپنی مادرِ مشفقہ کو مخاطب کرکے فرمایا۔

"بی بی ۔ اس بات سے مجھ کو اور آپ کو کیا؟ اس معمولی سی بات سے آپ کیوں خواہ مخواہ تردود کرکے پریشان خاطر ہورہی ہیں۔ آپ بالکل نہ گھبرائیں اور اس معاملہ کو مجھ پر چھوڑدیں۔ یہ چیز آسانی سے مہیا ہوسکتی ہے ۔ جب وقت آئیگا دیکھا جائیگا"۔ اہل یہود میں پنجابی دستور کے موافق برادری کے شرکاء شادی کے وقت کھانے پینے کا انتظام کرتے اور کھانے کو مہمانوں میں تقسیم کرتے تھے (ایکلی ٣٥ : ١ تا ٢) بی بی مریم نے آنخداوند کے تسلی آمیز کلمات سن کر ان منتظموں کو ہدایت فرمائی کہ وہ کلمتہ اللہ کے ارشاد پر عمل کریں اور خود اندر تشریف لے گئیں۔

ناظرین! خدارا انصاف کریں کہ اس تمام واقعہ میں آنخداوند کے وہ کونسے الفاظ ہیں جن سے " سوادبی " ٹپکتی ہے؟ ممکن ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب یہ اعتراض کریں کہ آنخداوند کے کلمات طیبات کی ہم نے اس طور پر تاویل کی ہے کہ اس میں بے ادبی اور گستاخی کا نشان نہیں رہا۔ لیکن ناظرین نے یہ نوٹ کیا ہوگا کہ ہم نے مندرجہ بالا تاویل میں وہی الفاظ استعمال کئے ہیں جو دور حاضرہ کے مستند انگریزی مترجمین کے اپنے ترجموں کے متن میں مستعمل ہوئے ہیں اور جن کو ہم نے اس باب کے شروع میں نقل کیا ہے۔ یہ تاویل کتاب اللہ کے محاورات اور الفاظ کے مطابق صحیح اصول تفسیر پر مبنی ہے۔ لہذا یہ درست ہے۔

الفاظ" اے عورت"

مولوی ثناء اللہ صاحب آیہ زیر بحث کے اردو ترجمہ کے "اے عورت" کی نسبت یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس خطاب سے " سوادبی " ٹپکتی ہے۔ لیکن یہ اعتراض بھی یونانی زبان سے لاعلمی پر مبنی ہے۔ یونانی متن میں جو لفظ وارد ہوا ہے وہ " گونئے " γυναι ہے۔ جس کا ٹھیٹھ اردو ترجمہ " بی بی جی " ہے۔ انجیلی اردو ترجمہ کے الفاظ" اے عورت" قابل گرفت ہوسکتے ہیں ۔ لیکن یہ قصور مترجمین کا ہے نہ کہ خطاب کرنے والا کا۔ ہر صاحب دانش کو "قائل" اور " مترجم " میں تمیز کرنی چاہیے ۔ یونانی میں لفظ" گونئے" ایک باعزت خطاب سمجھا جاتا ہے اور یہ لفظ اکثر ایسے موقعوں پر بولا جاتا تھا جب مخاطب کا نہ صرف ظاہر ادب مقصود ہوتا بلکہ دلی عزت بھی مقصود تھی یونانی لفظ " گونئے" انگریزی لفظ"

لیڈی" کا مترادف ہے۔ یونانی لفظ ایک باعزت خطاب ہے جو معزز خواتین حتیٰ کہ ملکہ تک کے لئے مستعمل ہوتا تھا۔ چنانچہ قیصر اگسطس نے ملکہ کلیوپیٹرہ (جس کا سن وفات سیدنا مسیح سے تیس سال قبل تھا) کو خطاب کرتے وقت یہی لفظ استعمال کیا تھا۔ ڈاکٹر وسکٹ اپنی مشہورِ عالم تفسیر میں فرماتے ہیں " اصل یونانی لفظ میں دُرشتی یا" ناک بھوں چڑھانے" کا نشان نہیں ہے ۔ بلکہ خطاب سے عزت اور محبت ظاہر ہوتی ہے "۔ (جلد اول صفحہ ۸۲)یہی وجہ ہے کہ آنخداوند نے صلیب پر سے جانکنی کی حالت میں اپنی مادرِ مشفقہ کو مخاطب کرکے اسی لفظ کو استعمال کیا تھا۔ کوئی شقی القلب انسان بھی ایسی سخت اذیت اورجانکنی کی حالت میں اپنی ماں کو ایسے الفاظ میں مخاطب نہیں کرتا جن سے " سوادبی" ٹپکتی ہو۔ چہ جائیکہ وہ انسان وجیہاً فی الدنیا والاخرۃ من المقربین ہو جو خود ماں کی متابعت بچپن سے کرتا چلاآیا ہو(لوقا ۲: ۵۱) اور جس نے ہمیشہ زندگی کا وارث ہونے کے لئے ماں باپ کی عزت کی شرط لگادی ہو (مرقس ۱۰: ۱۹) مشہور مفسر میگگریگر بھی(Macgregor) کہتا ہے ۔ کہ اصل یونانی میں لفظ"عورت" کے خطاب سے کوئی دُرشتی نہیں ٹپکتی ۔ اس کے برعکس یہ عزت کا خطاب[1] ہے۔

اسی طرح مسٹر وائن کہتے ہیں کہ " جب لفظ" گوننئے" (بمعنی عورت) ندائیہ طور پر استعمال ہوتاہے تو اس سے درشتی یا سختی مراد نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس اس لفظ سے پیار اور عزت ٹپکتی ہے ۔مثلاً(۱۵: ۲۸، یوحنا ۲: ۴) موخر الذکر مقام میں یہ لفظ پیار اور محبت ظاہر کرتا ہے[2] "۔ پس اگریہاں الفاظ" اے عورت" کی بجائے " اماں جان" لکھے جائیں تو یونانی کا صحیح مفہوم اردو میں اداہوسکتا ہے۔ انجیل جلیل کا مطالعہ تو یہ ظاہر کردیتا ہے کہ کلمتہ اللہ جب کبھی کسی عورت کو مخاطب کرتے توآپ اس کو ہمیشہ " بی بی جی" کہتے (یوحنا ۲۰: ۱۵۔ ۴: ۲۱۔ ۸: ۱۰ وغیرہ) بعینہ یہی یونانی لفظ فرشتوں نے بی بی مریم مگدلینی کو خطاب کرتے وقت استعمال کیا ہے۔ (یوحنا ۲۰: ۱۳)سیاق وسباق سے ظاہر ہے کہ اس مقام پر فرشتوں کا مقصد بی بی مریم مگدلینی سے درشت کلامی نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ ہمدردی ، ترس اوررحم کا اظہار کرنا مقصود تھا۔

اگر معترضین کو مزید تشفی کی ضرورت ہے توان کی پاس خاطر ہم ان کی توجہ فاضل علماء مسٹر یک اور بلر کی مشہور عالم تصنیف کی جانب مبذول کرتے ہیں ۔ جس میں ان فضلائے زمانہ نے عہد جدید کی زبان کا مقابلہ یہودی ، ربیوں کی کُتب کے الفاظ کے ساتھ کیا ہے ۔ اس کتاب میں وہ بتلاتے ہیں کہ ایک غریب شخص نے یہودی ربی حلیل کی بیوی سے بھیک مانگتے وقت اسی لفظ سے مخاطب کیا تھا جس کا ترجمہ اردو انجیل یوحنا میں " اے عورت" کیا گیاہے ۔اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی فقیر بھیک مانگتے وقت" سوادبی" کا ارتکاب نہیں کرتا۔ ہمیں امید ہے کہ اب معترضین کی سمجھ میں بھی آگیا ہوگا کہ یہ خطاب عزت کا خطاب ہے جس طرح اس یونانی لفظ کا ٹھیٹھ اردو ترجمہ" بی بی جی" ہمارے ملک میں عزت کا خطاب ہے انجیل یوحنا کے پنجابی ترجمہ میں اس لفظ کا ترجمہ" مائی جی" کیا گیا ہے(مطبوعہ مشن پریس لدھیانہ ۱۸۸۹ء) جس سے ظاہر ہے کہ اصل یونانی لفظ عزت کا خطاب ہے۔

(۲)

مولوی صاحب دعویٰ تو کرتے ہیں کہ وہ بال کی کھال نکالنے والے ہیں"(صفحہ ۵۱) لیکن اگر وہ ذراسی زحمت گوارا کرکے انجیل جلیل کو بنظر غائر پڑھتے تو وہ اپنے ایک اولوالعزم نبی پر ماں کی بے ادبی کرنے کا الزام نہ لگاتے۔ آپ نے ذرا خیال نہ کیا کلمتہ اللہ کس طرح اپنی ماں" کو جو دنیا جہاں کی عورت میں مبارک تھی" اور جس پر خدا کا فضل ہوا اور جس کے ساتھ خدا تھا"۔(لوقا ۱: ۲۸) دُرشتی سے مخاطب کرسکتے تھے؟ اور تعجب پر تعجب یہ ہے کہ مقدسہ مریم اس خطاب سے ناراض نہ ہوئیں ! کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ خطاب میں کسی قسم کی" سوادبی" نہ تھی؟ کیا وہ جس کی شان میں انجیل وقرآن دونوں رطب اللسان ہیں

[1] Gospel of St. John(Shoffat's Series)
[2] W.E Vine Expository Dictionary of New Testament word vol 4.p.227

اور جس کا یہ درجہ تھا کہ قرآن کہتا ہے۔ یا مریمہ ان اللہ اصطفک علیٰ نساء العالمین (اے مریم بلاشک اللہ نے تجھے برگزیدہ کیا اور تجھ کو پاک کیا اور تجھ کو تمام جہان کی بی بیوں کے مقابلہ میں برگزیدہ کیا) (آل عمران ۷۳) اس قسم کی عورت تھیں کہ اگر وہ یہ دیکھتیں کہ ان کے بیٹے نے ان سے دُرشت کلامی کی ہے اوران کو نامناسب طور سے مخاطب کیا ہے تو وہ صحف سماوی کے حکم کے مطابق ان کو تنبیہ نہ کرتیں ؟ یا کیا مولوی صاحب کا یہ خیال ہے کہ حضرت کلمتہ اللہ شادی کے موقعہ پر اس غرض سے تشریف لے گئے تھے کہ وہ لوگوں کو اپنے نمونہ سے نہ دکھلائیں کہ ماں کی تحقیر کس طرح کیا کرتے ہیں ؟

فلسفہ کی شاخ علم نفسیات کا یہ مسلمہ اُصول ہے کہ کسی شخص کے اقوال اس کے خیالات اورجذبات کے مظہر ہوتے ہیں۔ اب معترضین ہی انصاف کریں کہ کیا یہ امر قرین قیاس ہوسکتا ہے کہ منجئی کونین جو ان کے نزدیک رسول اللہ، روح اللہ اور کلمتہ اللہ ہیں اور جس کی شان میں خود پروردگار عالم نے قرآن میں لکھاہے کہ ایدناہ بروح القدس اور وجیھاً فی الدنیا والاخرۃ ومن المقربین ۔ کیا یہ امر قرینِ قیاس ہوسکتا ہے کہ اس پایہ کا شخص اپنی مادر مہربان سے سخت کلامی اور" سوادبی" سے پیش آیا ہو؟ قرآن میں حضرت کلمتہ اللہ گہوراہ میں کلام کرتے وقت فرماتے ہیں وجعلی طبراکاً این ماکنت ---اشقیا یعنی مجھ کو برکت والا بنایا میں جہاں کہیں بھی ہوں--- اور مجھ کو میری والدہ کا خدمتگزار بنایا اوراس نے مجھ کو سرکش بدبخت نہیں بنایا (سورہ مریم) کیا معترض کی افترا پردازی اس قرآنی آیہ شریفہ کی تفسیر ہے؟

گر تو قرآن بدیں نمط خوانی ببری رونق مسلمانی

آپ نے اعتراض کرنے سے پہلے یہ تو دیکھا ہوتا کہ حضرت بی بی مریم صدیقہ کا طرزِ عمل اس باب میں فیصلہ کنُ ہے۔ اُم المومنین نے منجئی عالمین سے گفتگو کرنے کے بعد منتظمین جلسہ کو حکم دیا کہ " جو کچھ یہ تم سے کہے وہ کرو"(۲: ۵) جس سے ظاہر ہے کہ آپ کے خیال شریف میں آنخداوند کا نہ تو طرزِ خطاب قابل گرفت تھا۔ اور نہ وہ فقرہ جو آپ کی زبان مبارک سے نکلا" سوادبی" کا جملہ تھا اور اگر مولوی ثناء اللہ صاحب آنخداوند کے الفاظ سے وہ نتیجہ اخذ نہیں کرتے جو ام المومنین بی بی مریم نے اخذ کیا تھا۔ تو قصور مولوی صاحب کی عقل اور فہم کا ہے جس کی وجہ سے بے باکی سے کام لے کر آپ حضرت روح اللہ پر اتہام لگانے سے ذرا نہیں جھجکتے۔ مولوی صاحب کی تہمت اور بہتان کے تیروسنان کا یہ حال ہے کہ

پہلو کی چوٹ ۔ دل کی چوٹ یا جگر کی چوٹ

کھاؤں کدھر کی چوٹ بچاؤں کی کدھر کی چوٹ؟

ابھی میرا وقت نہیں آیا ہے

چونکہ اس رسالہ کے لکھنے سے ہمارا مقصد مخالفین مسیح کو نیچا دکھانا نہیں بلکہ ان پر ان کے گناہ کو ظاہر کرنا منظور ہے جس کے وہ حضرت کلمتہ اللہ کی شان میں بے ادبی گستاخی توہین اور تذلیل کے کلمات استعمال کرکے مرتکب ہوئے ہیں تاکہ وہ اپنے گناہِ عظیم سے توبہ کریں لہذا تمام حجت کی خاطر ہم آیہ زیر بحث کے سب الفاظ پر غور کرتے ہیں ۔ تاکہ کسی صاحب کو کسی قسم کے شک کی گنجائش نہ رہے۔ اس آیہ شریفہ کے الفاظ کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

"بی بی جی ۔ مجھ کو اورآپ کو (اس بات سے) کیا؟ ابھی میرا وقت نہیں آیا ہے"(۲: ۴)۔

آخری الفاظ میں مولوی صاحب بھی کوئی" سوادبی" نہیں دیکھ سکے ۔ ورنہ وہ ان کو بھی ضرور محلِ اعتراض بناتے۔ آپ کے ان الفاظ پر نہیں ملی اور نہ آپ کا یہ خیال ہے کہ منجئی عالمین نے ان الفاظ سے ام المومنین کے ارشاد کو بجالانے سے انکار کیا۔ لیکن بالفرض اگر کسی صاحب کا یہ خیال ہو تو ہم بتلادیتے ہیں کہ بی بی مریم کے ارشاد ہے جو انہوں نے منتظمین جلسہ کو فرمایا ۔ یہ ظاہر ہے کہ کلمتہ اللہ کے الفاظ" ابھی میرا وقت نہیں آیا" سے آپ کا مطلب انکار نہیں تھا۔ بلکہ وقت موزوں پر آپ کے ارشاد کی تعمیل کرنا تھا۔ چنانچہ اگلی آیت میں ہی

حضرت صدیقہ منتظمین کو حکم دیتی ہیں کہ " جو کچھ یہ تم سے کہے وہ کرو" (۲: ۵) اگر انجیل نویس کا مقصد کلمتہ اللہ کے الفاظ سے یہ بتلانا تھا کہ آپ نے اپنی ماں کے ارشاد کے مطابق عمل کرنے سے انکار کیا تو اس کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ باقی ماندہ آیات (۶ تا ۱۳) میں بتلاتا کہ آنخداوند نے مقدسہ کے ارشاد کے موافق اعجازی طور پر پانی کو انگور کے رس سے تبدیل کردیا۔ اور اگر ابن اللہ کا مطلب انکار سے تھا تو ام المومنین کیوں اتنا بھی نہ سمجھ سکیں؟ بلکہ الٹا انہوں نے انتظام کرنے والوں کو حکم دیا کہ " جو کچھ یہ تم سے کہے وہ کرو"؟ حضرت بی بی مریم کا رویہ اس فقرے کو سمجھنے کی اصل کنجی ہے اور منجئی کونین کے الفاظ کی تاویل نہ صرف اس رویہ کی روشنی میں بلکہ سیاق وسباق کے مطابق اور آپ کی طرز ادا لب ولہجہ ۔ چہرے اور پیشانی کی حرکت۔ آنکھوں کی جنبش وغیرہ کی روشنی میں کرنی چاہیے۔ بمصداق۔

تامل تو تھا ان کو آنے میں قاصد
مگر یہ بتا طرز انکار کیا تھی (اقبال)

حضرت کلمتہ اللہ کے قول طرز کلام۔ لب ولہجہ اور دیگر حرکات وسکنات وغیرہ سے حضرت مقدسہ نے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ وقت موزوں پر آپ کا بیٹا آپ کے ارشاد کے مطابق عمل کریگا۔ اور اسی نتیجہ کے ماتحت آپ نے منتظمین کو حکم بھی دیا اور مابعد کے واقعہ نے ثابت بھی کردیا کہ جس نتیجہ پر ام المومنین پہنچی تھیں وہی نتیجہ صحیح تھا اور معترضین کے قیاسات غلط ثابت ہوئے۔

(۲)

حضرت کلمتہ اللہ کا مطلب الفاظ " ابھی میرا وقت نہیں آیا" سے کیا تھا؟ آپ نے تامل کیوں فرمایا؟ اور تاخیر کی اصلی وجہ کیا تھی؟ سطور بالا میں ہم صحیح اُصول تفسیر بتلاچکے ہیں کہ " معنی الفاظ انجیل از انجیل پُرس وبس" اس اصول کے مطابق اگر ہم ان مقامات پر غور کریں جہاں اسی انجیل میں یہی الفاظ آنخداوند نے استعمال کئے ہیں تو ہم ان کا مطلب سمجھ سکیں گے اس انجیل میں یہی الفاظ ایک اور جگہ آنخداوند کی زبان مبارک سے نکلے ہیں (۷: ۶) اور وہاں بھی تاخیر مقصود ہے۔ ہر دو مقامات پر غور کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ابن اللہ ہر کام کو کرنے سے پہلے خدا باپ کی مرضی کو معلوم کرنا چاہتے تھے اور اس تلاش میں ہوتے تھے کہ باپ کی مرضی کے مطابق اس کام کے کرنے کا مناسب اور موزوں وقت کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا " میں اپنی مرضی نہیں بلکہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی چاہتا ہوں" (۵: ۳۰) آپ نے اپنی آمد کا مدعاُ بایں الفاظ بتلایا۔ " میں آسمان سے اس لئے اترا ہوں کہ اپنی مرضی کے موافق عمل نہ کروں۔" (۶: ۳۸) پھر وقت موزوں کی نسبت آپ نے فرمایا۔ میں نے کبھی کچھ اپنی طرف سے نہیں کہا۔ بلکہ باپ جس نے مجھے بھیجا ہے۔ اسی نے مجھے حکم دیا ہے کہ کیا کہوں اور کب بولوں۔ پس جو کچھ کہتا ہوں جس طرح باپ نے مجھے فرمایا میں اسی طرح کہتا ہوں (۱۲: ، ۵۰، ۴۹ وغیرہ) اور اسی اصول کے ماتحت آپ نے اپنے بھائیوں کو جو اصرار کرکے آپ کو اپنے ہمراہ عید خیام کے موقعہ پر یروشلیم لے جانا چاہتے تھے الفاظ زیر بحث استعمال کرکے فرمایا"۔ ابھی میرا وقت نہیں آیا۔ لیکن تمہارے لئے سب وقت ہیں۔ تم عید میں جاؤ۔ میں ابھی اس عید میں نہیں جاتا ۔ کیونکہ ابھی تک میرا وقت پورا نہیں ہوا۔ اور جب عید کے آدھے دن گذر گئے تو یسوع ہیکل میں جاکر تعلیم دینے لگا" (۷: ۶، ۸، ۱۴) اسی اصول کے ماتحت آپ نے شاگردوں کو فرمایا" میری خوراک یہ ہے کہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی کے موافق عمل کروں اور اسکے کام کو پورا کروں۔ کیا تم نہیں کہتے کہ فصل پکنے میں ابھی چار مہینے باقی ہیں؟ دیکھو میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی آنکھیں اٹھا کر کھیتوں پر نظر کرو کہ فصل پک گئی ہے (۴: ۳۴، ۳۵) جب آپ کا دوست لعزر بیمار تھا اور اس کی بہنوں نے آپ کو جلدی تشریف لانے کے لئے پیغام بھیجا تو آپ اپنے اسی اصول پر عمل پیرا ہو کر فوراً نہ چل دیئے۔ بلکہ اس جگہ تھے وہاں آپ نے دو دن اور قیام فرمایا اور پھر اس کے بعد شاگردوں سے کہا ۔" آؤ یہودیہ کو چلیں"۔ شاگردوں نے بہتیرا کہا کہ یہ وقت یہودیہ کو جانے کے لئے مناسب اور

موزوں وقت نہیں ہے۔ کیونکہ ابھی تو شقی القلب یہود آپ کو سنگسار کرنا چاہتے تھے۔ لیکن آپ نے ان کی ایک نہ مانی اور الہیٰ مرضی کو معلوم کرکے (آیت ۱۵، ۴۰) آپ نے فرمایا" کیا دن کے بارہ گھنٹے نہیں ہوتے۔ اگر کوئی دن کو چلے تو ٹھوکر نہیں کھاتا۔ کیونکہ وہ دنیا کے نور (یعنی خدا کی مرضی) کی روشنی دیکھتا ہے۔ لیکن اگر کوئی رات کو چلے تو ٹھوکر کھاتا ہے۔ کیونکہ اس میں (خدا کی مرضی کی) روشنی نہیں"(آیت ۹ مقابلہ کرو (یسعیاہ ۸: ۱۹ تا ۲۲، یرمیاہ ۱۲: ۱۶ آیت وغیرہ)۔

انجیل جلیل سے یہ ظاہر ہے کہ حضرت کلمتہ اللہ کا یہ ایمان تھا کہ خدا باپ کے علم میں ہر بات کے لئے ایک خاص وقت اور معیاد مقرر (اعمال ۱: ۷۔ متی ۲۴: ۳۶ وغیرہ) اور آپ کوئی کام نہیں کرتے تھے تاوقتیکہ آپ یہ معلوم نہ کرلیں خدا کی مرضی کے مطابق اس کے کرنے کا وقت آیا ہے یا نہیں (یوحنا ۱۲: ۲۳، ۱۷: ۱) پس اگر آپ کسی کام کے کرنے میں تاخیر کرتے تھے تو یہ تاخیر عین خدا کی مرضی اور منشاء کے مطابق ہوتی تھی۔

(۳)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قانائے گلیل کے موقعہ پر تاخیر کی کیا وجہ تھی؟ گو انجیل نویس اس خاص مقام میں تاخیر اور وقفہ کا سبب بیان نہیں کرتا۔ تاہم قوت متخیلہ اور قرائن کی مدد سے ہم معلوم کرسکتے ہیں کہ اس وقفہ کی وجہ غالباً کیا تھی۔ یہ زمانہ آنخداوند کی رسالت کا ابتدائی وقت ہے۔ آپ گویا زمانہ رسالت کی دہلیز پر کھڑے ہیں اور آپ کو یہ احساس ہے کہ آپ میں اعجازی طاقت موجود ہے اور آپ کے سامنے سوال یہ ہے کہ اس اعجازی طاقت کے استعمال کا وقت آگیا ہے یا نہیں۔ آپ کے ہم عصر یہود کا یہ خیال تھا کہ جب مسیح موعود آئیگا تو وہ شان وشوکت اور جلال و حشمت سے آئیگا۔ اور اپنے مسیحائی اعجاز کے " قہر شدید" سے سلطنت روم کو تہ وبالا کرکے اس کو پریشان کردیگا۔ اور رومی فرمانفرماؤں کو لوہے کے عصا سے توڑے گا۔ اور اپنے غضب سے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے کمہار کے برتن کی طرح ان کو چکنا چور کردیگا"۔ اور یوں آسمان کی بادشاہی کی بناء ڈالیگا (زبور ۲ وغیرہ) کہاں آپ کے ہم عصر یہود کی یہ امیدیں جو مسیحائی دور کے آغاز کے ساتھ وابستہ تھیں اور کہاں ایک کمین گو شریف طبقہ کے غریب گھرانے میں شادی بیاہ کے موقعہ پر پانی کو انگور کے رس میں تبدیل کرکے مسیحائی دور کی ابتدا کرنا اور یوں خدا کی بادشاہی کو بنا ڈالنا ع بہ بیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا۔ یہ معجزہ ایسا نہ تھا کہ امراء اور روسائے یہود کی آنکھیں اس سے چکا چوند ہوجاتیں (متی ۴: ۱۔۱۱) اور وہ طوعاً کرہاً آنخداوند کے عقیدتمند غلام اور جاں نثار فدائی ہوجاتے۔ قوم یہود کے قائد اعظم تو ایسے غریب گھرانے کی چار دیواری کے نزدیک پھٹکنا بھی اپنی توہین سمجھتے تھے۔ پس ابن اللہ کے سامنے یہ سوال تھا۔ کہ کیا مسیحائی اعجاز کا دور شروع کرنے کا وقت آگیا ہے یا نہیں۔ کیا اس دور کا آغاز آپ کے ہم عصروں کے خیال کے مطابق جلال و حشمت کے کاموں سے شروع ہوگا یا رحم اور محبت اور انسانی ہمدردی کے معجزہ کے ساتھ اس مسیحائی دور کا شروع ہوگا؟ جب ابنِ مریم نے اپنی والدہ مکرمہ کا ارشاد سنا تو خدا کی مرضی دریافت کرنے کی جانب آپ متوجہ ہوئے تاکہ معلوم کریں کہ آسمان سے اس کے متعلق کیا آواز آتی ہے اور مسیحائی دور کے طریقہ آغاز جیسے اہم معاملہ کے متعلق خدا باپ کی مرضی کیا ہے کہ وہ کب اور کس طرح اور کس اسباب کے ذریعہ شروع کیا جائے؟ جب ابن اللہ نے باپ کی طرف رجوع کیا تو خدا نے آپ پر اپنی مرضی کو منکشف کیا کہ مسیحائی اعجاز کا دور اہلِ یہود کے خیالات و توہمات کے مطابق شروع نہیں ہوگا (متی ۴: ۱ تا ۱۱) بلکہ محبت اور رحم اور انسانی ہمدردی کے کاموں سے شروع ہوگا (لوقا ۷: ۲۱ تا ۲۳۔ ۴: ۱۷ تا ۲۳ وغیرہ) آپ نے اپنی والدہ مکرمہ حضرت صدقیہ کی آواز کو" نقارہ خدا" سمجھا اور آپ کے ارشاد کی تعمیل کرکے ماں کے حکم اور خدا کی مرضی کو پورا کرکے" اپنا جلال ظاہر کیا۔ اور آپ کے شاگرد آپ کی مسیحائی پر ایمان لائے"(آیت ۱۱)۔

آیہ زیر بحث ایک اور تاویل

فاضل اجل لیوی سن صاحب آیہ زیر بحث کی ایک تاویل کرتے ہیں جو ایسی سادہ اور عام فہم ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب جیسی سمجھ رکھنے والے بھی آسانی سے سمجھ سکیں۔ اس کے علاوہ یہ تاویل یہودی دستورات کے مطابق بھی ہے۔ صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ اہل یہود بیاہ شادی کے موقعہ پر انگور کا رس عام استعمال کرتے تھے۔ اور یہ رسم زمانہ قدیم سے دورِ حاضر تک صوبہ گلیل میں چلی آئی ہے کہ نہ صرف دلہا کا یہ فرض تھا کہ انگور کا رس بہم پہنچائے بلکہ دلہا کے رشتہ دار اور براتی انگور کے رس کو مہیا کرنے میں بھی حصہ لیتے تھے۔ بیاہ کی مختلف رسوم بعض اوقات چودہ دن اور بعض اوقات سات دن (قضاۃ ۱۴: ۱۲) لیکن غریب گھروں میں بالعموم ایک ہی دن میں ادا ہو جاتیں لیکن جتنے دن بھی یہ رسوم رہتیں دلہا(قضاۃ ۱۴: ۱۰) اوراس کے رشتہ دار اور براتی حسب ضرورت انگور کا رس مہیا کرنے کے ذمہ دار ہوتے تھے اگر دلہا کا ربی بیاہ کے موقعہ پر موجود ہوتا تو اس کو یہ فخر حاصل ہوتا کہ اگر وہ چاہتا تو وہ سب سے پہلے دلہا کو بطور تحفہ انگور کے رس کی پیشکش کرتا۔ اس یہودی دستور کی روشنی میں صاحب موصوف آیہ زیر بحث کی یوں تاویل کرتے ہیں کہ جب بی بی مریم نے دیکھا کہ انگور کا رس کم ہو رہا ہے اور مہمانوں کے لئے کفایت نہیں کریگا تو دلہا کے عزیز اور براتی ہونے کی حیثیت سے آپ اپنے بیٹے کے پاس تشریف لائیں اور فرمانے لگیں۔ "بیٹا۔ ان کے پاس انگور کا رس نہیں رہا"۔ اس پر کلمتہ اللہ نے حضرت صدیقہ سے فرمایا"۔ بی بی جی مجھ کو اور آپ کو اس بات سے کیا؟ ابھی میری نوبت نہیں آئی"۔ اگر ہم یہودی دستور کی روشنی میں آیہ شریفہ پر غور کریں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دلہا کا ربی وہاں شادی کے موقع پر بطور نکاح خواں موجود تھا۔ جس کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اگر چاہے تو سب سے پہلے انگور کے رس کی پیشکش کرے اوراس کے بعد دلہا کے دیگر عزیز واقارب اور براتی اپنی اپنی باری اس کو نذر کریں۔ پس آنخداوند نے اس دستور کو مد نظر رکھ کر بی بی صدیقہ سے فرمایا" بی بی جی۔ آپ تردود نہ فرمائیں"۔ ابھی[1] ہماری نوبت نہیں آئی جونہی ہماری باری آئیگی۔ سب انتظام ٹھیک طور پر ہوجائیگا۔ آپ خاطر جمع رکھیں۔ اوراس معاملہ کو مجھ پر چھوڑدیں"۔ اس پر بی بی مریم نے منتظمین جلسہ کو فرمایا کہ" جو کچھ یہ تم سے کہے وہ کرو"۔ اور واپس اندر تشریف لے گئیں۔ جب آپ کی نوبت آئی تو آپ نے اعجازی طور پر پانی کو انگور کے رس میں تبدیل کردیا۔

مذکورہ بالا تاویل میں جس دستور کا فاضل لیوی سن صاحب نے ذکر کیا ہے اس کی تصدیق مشہور ومعروف یہودی متنصر ڈاکٹر آیڈر شائم بحوالہ یہودی کتاب" باب بتھرا" بایں الفاظ کرتے ہیں" شادی بیاہ جیسے موقعوں پر انگور کا رس اور تیل کا ہدیہ پیشکش کرنا کارِ ثواب سمجھا جاتا تھا اور خیرات میں داخل تھا"۔ مرحوم یہودی عالم اجل ڈاکٹر ابراہام بھی اس دستور کا انسائیکلوپیڈیا آف ریلجنس اینڈ ایتھکس میں ذکر کرتے ہیں۔ پس جب مستند یہودی علماء کے اقوال سے لیوی سن کی تاویل کی تائید وتصدیق ہوتی ہے۔ تو کسی شخص کو جس کے سر میں دماغ اور دماغ میں عقل ہے۔ اس تاویل کو کم از کم قرین قیاس ماننے میں تامل نہیں ہوسکتا اگر یہ تاویل درست تسلیم کی جائے تو مولوی صاحب کو بھی لاچار یہ ماننا پڑیگا کہ اس آیہ شریفہ میں "مسیح نے اپنی والدہ مکرمہ کو" ناک بھوں چڑھا کر" (صفحہ ۱۴۸) خطاب نہیں کیا تھااور "ناظرین بھی اندازہ کرسکتے ہیں کہ الفاظ زیرِ بحث " ادب کے ہیں یا سوادبی کے" (صفحہ ۱۴۸) یہ تاویل ایسی سادہ، صاف، سیدھی اور واضح ہے کہ اس کی روسے کوئی صحیح العقل شخص اس آیت کے کسی ایک لفظ پر بھی اعتراض نہیں کرسکتا۔ ہاں اگر مولوی ثناء اللہ صاحب کی طرح اس کا واحد مقصد حضرت کلمتہ اللہ کی شان میں بیکار سوال اور فضول اعتراض کرکے توہین آمیز کلمات کہہ کر بے ادبی کرنا اوراتہام طرازی ہے تو وہ دوسری بات ہے۔

[1] پروفیسر لیمزا(Lamsa)کا یہی ترجمہ ہے"ابھی میری باری نہیں آئی" یہ ترجمہ سریانی زبان سے کیا گیاہے جو سیدنا مسیح کی مادری زبان ارامی سے ملتی جلتی ہے۔(برکت اللہ)

مولوی صاحب کو اشعار بہت پسند ہیں۔ معلوم نہیں کہ مولانائے روم کا یہ شعر ان کی نظر سے کبھی کیوں نہیں گذرا؟

از خدا خواہیم توفیق ادب

بے ادب محروم ماند از فضل رب

باب چہارم

کیا ابنِ اللہ نے شراب بنائی ؟

تیسرا اعتراض

مولوی ثناء اللہ صاحب کا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ خداوند مسیح نے جو شے اعجازی طاقت سے بنائی ۔وہ شراب تھی۔ آپ نے انجیلی اردو کے لفظ" مے "(آیت ۳) کا ترجمہ عام فہم لفظ" شراب" کیاہے (صحفہ ۱۴۸) اور بقول جناب" شراب" اردو زبان میں نشہ آور پانی کا نام ہے جو ہر عقلمند کے نزدیک بہت بُری چیز ہے"(صفحہ ۹۱) پس انجیلی لفظ کاآپ نے اردو ترجمہ" شراب" کرکے یہ اعتراض کیاہے کہ آنخداوند نے قانائے گلیل پانی کو شراب میں تبدیل کیاجو "نشہ آور پانی" ہونے کی وجہ سے" ہر عقلمند کے نزدیک بہت بُری چیز ہے۔"

مولوی صاحب کا یہ فرض تھا کہ آپ یہ ثابت کرتے کہ جو یونانی لفظ انجیل جلیل میں اس مقام پر وارد ہوا ہے۔ اس سے مراد" نشہ آور پانی" ہے جس کا صحیح مفہوم" اردو زبان میں" لفظ" شراب" کردیا۔ تاکہ عوام الناس یہی سمجھیں کہ آنخداوند نے" نشہ آور پانی" بنایا۔اورپھر مولوی صاحب کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ اپنے ترجمہ کے لئے آپ نے کوئی دلیل بھی نہیں دی۔ بلکہ ازراہ مستحکم اعتراض کرنے پر ہی کفایت کی ۔ پھر آپ اخبار اہل حدیث میں کھتےہیں " مسیح سے دو گناہ سرزد ہوئے ۔ ایک شراب کی مجلس میں حاضر ہونا۔ اور دوسرا اپنی ماں کی تعظیم کرنے کی بجائے اس کو توہین آمیز لفظوں سے مخاطب کرنا"(۲۶ دسمبر ۱۹۴۱ء) آپ کے وہ مرید جو آپ کی ہر بات پر آمنا وصل قنا کھتے کو تیار ہیں۔ بغیر آپ کی

بات کا جائزہ لئے آپ کے اعتراض کو سن کر خوش ہوں گے۔ لیکن جو اشخاص خداداد عقلِ سلیم کو استعمال کرنے کے عادی ہیں وہ آپ کو کہینگے۔

نگفتہ ندارد کسے با تو کار ولے چوں بگفتی دلیلش بیار

(۲)

مولوی صاحب ہم آپ کو آپ کے ہی الفاظ میں کہتے ہیں کہ "۔ کیا اچھا ہوتا کہ آپ ان لفظوں کا ترجمہ کسی پادری سے پوچھ لیتے تو آپ سے یہ غلطی سرزد ہو کر موجبِ ندامت نہ ہوتی" (کتاب اسلام و مسیحیت صفحہ ۳۷)۔

مجالِ سخن تا نہ بینی زپیش بہ بےہودہ گفتن مبر قدر خویش

واجب تو یہ تھا کہ آپ اعتراض کرنے سے پہلے یہ معلوم کرلیتے کہ جو یونانی لفظ یہاں استعمال ہوا ہے۔ وہ یونانی انجیل میں کس کس جگہ وارد ہوا ہے۔ اوران مختلف مقامات کا مقابلہ کرکے آپ اس لفظ کا " اردو زبان" میں مفہوم متعین کرلیتے ۔ اگر آپ یہ طرزِ عمل اختیار کرتے تو آپ کا رویہ علم تفسیر کے صحیح اصول کے مطابق درست اور جائز ہوتا لیکن دائرہِ اسلام میں ایسے انسان ہم کو خال خال نظر آتے ہیں جو اپنے تعصبات سے بے نیاز ہو کر حق اور صداقت کی خاطر کانٹوں کا تاج پہننے کو تیار ہوں۔

اگر آپ یونانی سے ناواقف ہونے کے باعث اصل یونانی لفظ پر بحث کرنے کے قابل نہیں تھے تو کم از کم آپ یہودی دستوروں سے واقف ہوسکتے تھے۔ آپ یہی معلوم کرلیتے کہ اہل یہود میں عام طور پر " شراب" پینے کا دستور تھا یا نہیں۔ اور بالخصوص شادی بیاہ کے موقعہ پر " شراب" کا استعمال ہوتا تھا یا نہیں اگر یہودی دستورات کو معلوم کرنے کے ذرائع آپ کے پاس نہیں تھے تو آپ کے ہاتھوں میں کم از کم کتابِ مقدس تو تھی۔ آپ کو تو اس پر حاوی ہونے کا دعویٰ بھی ہے (اسلام اور مسیحیت صفحہ ۳۸) آپ نے اسی کا مطالعہ کرکے یہودی رسوم اور دستورات سے واقفیت حاصل کرلی ہوتی۔

(۳)

یہودی کُتُب مقدسہ میں نو(۹) مختلف الفاظ ہیں۔ جن کا اردو ترجمہ میں کبھی "مے" کبھی " آبِ انگور" کبھی شراب" کبھی انگور کا خالص رس" کبھی تاک کا حاصل" کبھی انگور کا شیرہ" وغیرہ کیا گیا ہے۔ اردو ترجمہ میں اس بات کا لحاظ نہیں رکھا گیا کہ ان نو لفظوں میں سے ہر لفظ کے لئے اردو میں ہر مقام پر ایک جداگانہ لفظ ہر وقت استعمال کیا جائے۔ عربی ترجمہ میں بھی یہ رعایت ملحوظ نہیں رکھی گئی ۔ ذیل کے سطور میں اختصار کی خاطر ہم ان نو الفاظ میں سے صرف تین کاذکر کرتے ہیں ۔ کیونکہ یہ الفاظ بالعموم کتابِ مقدس میں وارد ہوئے ہیں۔

اول۔ لفظ "یائین" ہے جو عبرانی لفظ نہیں ہے۔ بلکہ کسی غیر عبرانی زبان سے لیا گیا ہے۔ یہ لفظ یہودی صحفِ سماوی میں سب سے زیادہ مستعمل ہوا ہے ۔ اور عہد عتیق میں ۱۴۳ دفعہ وارد ہوا ہے۔ مثلاً پیدائش ۴۹: ۱۱ تا ۱۲۔ قضاۃ ۹: ۱۳۔ زبور ۱۰۴: ۱۵۔ عاموس ۹: ۴ وغیرہ۔ عہد عتیق کے یونانی ترجمہ سپٹواجینٹ میں اس لفظ یائین کا ترجمہ οινος"اوینوس" کیا گیا ہے اور اردو ترجمہ میں عموماً لفظ مے" اس کے استعمال کیا گیا ہے۔ جس جس جگہ یہ لفظ مستعمل ہوا ہے وہاں اس سے بالعموم مراد وہ چیز ہے جو ادنےٰ اور اعلیٰ طبقہ کے سب یہودی کھانا کھاتے وقت روٹی کے بعد پیا کرتے تھے جس طرح اہلِ پنجاب کھانا کھاتے وقت روٹی کے بعد پانی یا چھاچھ وغیرہ پیتے ہیں۔(لوقا ۷: ۳۳ وغیرہ) یہی وجہ ہے کہ اس کا ذکر ۱۴۳ دفعہ صحفِ سماوی میں آیا ہے۔ ان متعدد مقامات کا بغور ملاحظہ کرنے سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ جس شے کا ذکر کیا گیا ہے " وہ شراب" یعنی نشہ آور پانی" نہیں ہے" جو ہر عقلمند کے نزدیک بہت بری چیز ہے"(صفحہ ۹۱) چنانچہ زبور ۱۰۴ میں اس چیز کا خدا کی دیگر نعمتوں میں شمار کیا گیا ہے۔ جس کے لئے خالق کا شکر مزمور نویس بایں الفاظ کرتا ہے۔

"اے میری جان تو خدا کو مبارک کہہ۔ وہ چوپایوں کے لئے گھاس اگاتا ہے اور انسان کے کام کے لئے سبزہ تاکہ زمین سے خوراک پیدا کرے اور "مے" جو انسان کے دل کو خوش کرتی ہے۔ اور روغن جو اس کے چہرے کو چمکاتا ہے اور روٹی جو آدمی کے دل کو توانائی بخشتی ہے" (زبور ۱۰۴)۔

قانائے گلیل میں منجئی کونین نے جو شے اعجازی طور پر بنائی - وہ یہی چیز تھی۔ چنانچہ آیہ زیر بحث میں وہی یونانی لفظ" اونیوس" وارد ہوا ہے جو یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ میں استعمال ہوا ہے۔ اور جس کے لئے اردو ترجمہ میں بالعموم لفظ" مے" مستعمل ہوا ہے۔ پس مولوی صاحب کا اس لفظ کے لئے " اردو زبان کا لفظ" شراب" یعنی " نشہ آور پانی" استعمال کرنا آیہ شریفہ پر ظلم کرنا اور کلمتہ اللہ کی توہین کرنا اور اپنے ناظرین کو راہِ حق سے گمراہ کرنا ہے۔

جن لوگوں کو علمِ جغرافیہ سے کچھ مس ہے وہ یہ جانتے ہیں - کہ ارضِ مقدس کنعان کی زمین اور آب وہوا تاک اور انگور کی پیدائش اور فراوانی کے لئے نہایت موزوں ہے۔ قدرت نے اس کا عرض اور بلد اور اونچائی ایسی بنائی ہے کہ اس میں اعلیٰ ترین قسم کے انگور کی پیداوار ہوتی ہے جس طرح پنجاب کے کھیتوں میں گیہوں کی پیداوار ہوتی ہے۔ اسی طرح ارض مقدس کے کھیتوں میں انگور کی پیداوار ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس سرزمین میں انگوور کی صنعت وحرفت قدیم ترین زمانہ سے چلی آئی ہے اور تیسری صدی مسیحی تک یہ ملک اس کے لئے دنیا بھر میں مشہور تھا۔ لیکن عرب کی فتوحات کے بعد اس صنعت کا خاتمہ ہوگیا۔ یہودی کُتب مقدسہ سے پتہ چلتا ہے کہ کنعان میں تاکستان بکثرت تھے۔ اور انگوروں کی پیداوار نہایت افراط کے ساتھ ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ اگر کسی کو یہ کہنا منظور ہوتا کہ فلاں بادشاہ کا زمانہ امن اور صلح کا عہد تھا تو وہ کہتے کہ فلاں زمانہ میں " اسرائیل کا ایک ایک آدمی اپنی اپنی تاک اور اپنی اپنی انجیر کے نیچے چین سے بیٹھتا تھا "(۱-سلاطین ۴: ۲۵- ۲سلاطین ۱۸: ۳۱- یسعیاہ ۳۲: ۱۰، ۳۶: ۱۰-میکاہ ۴: ۴- زکریا ۳: ۱۰ وغیرہ) انگور کا رس قدر عام تھے کہ یہودی طبیب اس کو غرباء کے علاج کے لئے بطور دوا استعمال کرتے تھے(لوقا ۱۰: ۳۴- مرقس ۱۵: ۲۲- ۱ تمطاؤس ۵: ۲۳ وغیرہ) انگور کے فصل کے موقعہ پر خوشی کی جاتی (یسعیاہ ۱۶: ۱۰) نشیب کے اضلاع میں یہ دقت ماہ جولائی میں شروع ہوجاتا ہے۔ لیکن لوگ جون ہی میں کچے اور ہرے انگوروں میں پانی اور چینی ملاکر ٹھنڈا شربت ملا کر پیتے لیکن اگست اور ستمبر میں انگور کا فصل ہر جگہ تیار ہوجاتی اور اس موقعہ پر لوگ اپنے اپنے" تاکستان کا پھل توڑتے" - انگوروں کا رس پیتے اور خوشی مناتے"(قضاۃ ۹: ۲۷) یہ اُن کی عید کا موقعہ ہوتا۔ جب وہ اچھلتے کودتے، گاتے بجاتے اور خوشی کرکے خدا کا اس نعمتِ عظمیٰ کے لئے شکر بجالاتے (قضاۃ ۹: ۱۳-زبور ۱۰۴: ۱۵ وغیرہ)۔

ایوانِ نعمتے کہ نشاید سپاس گفت　　اسبابِ راحتے کہ نشاید شمار کرد

انگور ایسی عام شے تھی کہ یہودی صحفِ سماوی میں اس کو تشبیہ اور استعارہ کے طور پر کثیر التعداد مقامات میں استعمال کیا گیا ہے تاکہ عوام الناس الہیٰ پیغاموں کو کماحقہ سمجھ سکیں۔مثلاً اسرائیل کو تاک اور انگور کے ساتھ متعدد مقامات میں تشبیہ دی گئی ہے۔(زبور ۸۰: ۸تا ۹، یسعیاہ ۵: ۱- ہوسیع: ۱۰: ۱ وغیرہ) خود منجئی عالمین نے اپنے آپ کو انگور سے تشبیہ دی اور شاگردوں سے فرمایا"۔ انگور کی حقیقی بیل میں ہوں میرا باپ باغبان ہے۔ تم ڈالیاں "(یوحنا ۱۵ باب) جب قومِ اسرائیل خدا سے برگشتہ ہوتی تو انبیاء اس کو" جنگلی انگور" سے مشابہت دیتے - (یرمیاہ ۲: ۲۱- یسعیاہ ۵: ۲ وغیرہ) اسرائیل کے دشمن "تاک سدوم" کہلاتے تھے (استثنا ۳۲: ۳۲) یعنی ایسے انگور جن کے پھل اور رس میں سدوم کی خرابی کی سی بد بوآتی ہو۔

انگور کے استعمال کے چار طریقے تھے۔ عام طریقہ استعمال یہ تھا کہ انگور کو کھایا جاتا اوراس کے رس کو کھانے کے وقت روٹی کے ساتھ پیا جاتا تھا۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ انگور کو

خشک کرلیا جاتا اور اس کو بطور میوہ منقیٰ استعمال کیا جاتا۔ تیسرا طریقہ یہ تھا کہ انگور کو کولھومیں دبا کر اس کا رس نکالا جاتا اور لوگ اس کا شربت انگور بناتے یا اس کا شیرہ نکالتے جوشھد کی مانند تھا۔ چوتھا طریقہ یہ تھا کہ خمیر اٹھا کر اس کی شراب بنائی جاتی۔

دوم۔ عہد عتیق کی کتب میں ایک اور لفظ" تیروش" ۳۸ دفعہ استعمال ہوا ہے جس کا مفہوم یونانی ترجمہ میں لفظ" میتھیوسما" ( ) اور اردو ترجمہ میں " نئی مے" ہے۔ اس کا عبرانی نام ہی ظاہر کرتا ہے۔ کہ یہ شے دماغ پر قبضہ کرلیتی ہے اور نشہ آور ہے۔ یہ لفظ بطور فعل " میتھیوسن تھوسن" ( ) انجیل یوحنا باب دوم میں مقام زیر بحث کی دسویں آیت میں میر مجلس کے قول میں آیا ہے۔جہاں اردو ترجمہ میں اس فعل کا ترجمہ" پی کر چھک گئے" کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ وہ چیز جوعبرانی متن میں " یائیین" اوریونانی متن میں " اوینوس" کھلاتی ہے اور جس کو آنخداوند نے اعجاز سے بنایا تھا اس شے سے مختلف ہے جو عبرانی میں " تیروش" اور یونانی میں " میتھیوسما" کھلاتی ہے جس کو پی کر لوگ" چھک" جاتے ہیں ۔ انجیل جلیل میں جہاں کھیں نشہ بازی کی ممانعت آئی ہے اورجہاں یہ حکم دینا مقصود ہے کہ نشہ بازی اور شراب سے متوالتے نہ بنو۔ وہاں یہ لفظ اسم فعل دونوں شکلوں میں استعمال کیا گیا ہے (رومیوں ۱۳: ۳۔ پہلا کرنتھیوں ۵: ۱۱۔ ۶: ۱۰۔ گلتیوں ۵: ۲۱۔ افسیوں ۵: ۷ وغیرہ)۔ جس سے ظاہر ہے کہ یونانی زبان انجیل (اور اردو ترجمہ میں بھی) دونوں قسم کی چیزوں میں یعنی اوینوس اور میتھیوسما میں تمیز کی گئی ہے۔جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ شے " اوینوس" جو آنخداوند نے اعجازی طاقت سے بنائی اس شے سے لگ اورجدا ہے۔ جو نشہ آور ہے اور متوالا بنادیتی ہے۔

سوم۔ تیسرا لفظ جوعبرانی کتب مقدسہ میں آیا ہے وہ "سکر" ہے جس کو یونانی سیپٹواجنٹ میں ( ) لکھا گیا ہے۔ اردو بائبل میں اس کا ترجمہ " نشہ" اور کبھی" شراب" کیا گیا ہے۔ یہ لفظ عبرانی عہدِ عتیق میں ۲۳ مرتبہ آیا ہے۔ مثلاً استثنا ۱۴: ۲۶۔ یسعیاہ ۲۴: ۹۔ ۵۶: ۱۲۔ زبور ۶۹: ۱۲ وغیرہ) مرحوم ڈاکٹر لائٹ فٹ کھتے ہیں کہ یہ یروشلم کی دولتمند عورتیں یہ شے ان مجرموں کو پلایا کرتی تھیں جن کو تختہ دار پر لٹکنا ہوتا تھا تاکہ وہ درد کو محسوس نہ کریں (امثال: ۳۱: ۶) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالباً کھجور کی شراب کو بھی" سکر" کھتے تھے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب نے اپنے اعتراضات میں لفظ" شراب" کو استعمال کرکے گویا یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ آنخداوند نے قانائے گلیل میں جس شے کو پانی میں تبدیل کیا تھا وہ"سکیرا" نہیں ہے بلکہ " اوینوس" ہے انجیل جلیل میں ان دونوں لفظوں میں تمیز کی گئی ہے ۔ چنانچہ لوقا کی انجیل میں حضرت یوحنا بپتسمہ دینے والے کی نسبت آیا ہے کہ وہ نہ "اوینوس" (مے) اور نہ سکیرا" (شراب) کبھی پیئے گا"۔(۱: ۱۵) عربی ترجمہ میں بھی اس جگہ آیا ہے کہ " لایشرب خمر ولامسکراً" ۔ پس یہاں نہ صرف اصل یونانی میں بلکہ اردو اور عربی تراجم میں بھی دونوں الفاظ دیئے گئےہیں۔ اوران میں تمیز کی گئی ہے۔ مولوی صاحب کا اعتراض ظاہر کرتاہے کہ آپ نہ صرف زبان یونانی سے بیگانہ ہیں بلکہ عربی چھوڑ اردو ترجمہ تک کامطالعہ کرنے کی تکلیف گوارا نہیں فرماتے۔

پس کتاب مقدس کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ جو شے کلمتہ اللہ نے مسیحائی اعجاز سے بنائی وہ اچھے سے اچھے آب انگور سے بھی اعلیٰ تھی۔(۲: ۱۰) جس میں " نشہ" کا نام تک نہ تھا۔ قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت روح اللہ نے حواریوں کو نزولِ مائدہ میں آسمانی خوراک کھلائی اس معجزہ میں آپ نےشادی کے مہمانوں کو آسمانی شراباً طہوراً پلائی بَيْضَاء لَذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنزَفُونَ یعنی سفید مزہ دینے والی جو پینے والوں کو لذیز معلوم ہوگی۔ نہ اس سے سر گھومیگا اور نہ اس کی وجہ سے بیہودہ بکیں گے(صافات ۴۶ تا ۴۷)۔ ایسی چیز جس کی بابت قرآن کھتا ہے۔ وَفِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ یعنی واجب

ہے کہ رغبت کرنے والے ایسی ہی چیز کی رغبت کیا کریں(المطففین آیت ۲۵)آنخداوند نے زمینیوں کو آسمانیوں کا کھانا پینا اسی دنیا میں چکھادیا۔ إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ یعنی پس یہ بے شک نشانی ہے اس قوم کے واسطے جو عقل رکھتے ہیں(نحل ۶۹)۔

حلت وحرمت کا سوال

بفرضِ محال ہم چند منٹوں کے لئے یہ مان لیتے ہیں کہ جو شے تبدیل ہوئی تھی وہ بقول مولوی صاحب " شراب" یعنی " نشہ آور پانی" تھا مولوی صاحب نے نہایت بے باکی سے ابن اللہ پر فتویٰ صادر کردیا کہ " مسیح سے دو گناہ سرزد ہوئے۔ ایک شراب کی مجلس میں حاضر ہونا۔ لیکن ہم ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ۔ کیا کوئی شئے ازروئے شریعت حرام ہوسکتی ہے تاوقتیکہ اللہ نے شرعی طورپر حرام نہ کیا ہو؟ پس آپ کا فرض تھا کہ اپنا ناپاک فتویٰ صادر کرنے سے پہلے آپ یہودی کتب مقدسہ سے ثابت کرتے کہ جو شے کلمتہ اللہ نے بنائی وہ حرام تھی اوراس کے بنانے میں آپ نے موسوی شریعت کا عدول کیا۔ لیکن آپ نے یہ محققانہ رویہ اختیار نہ کیا کیونکہ آپ یہودی کُتب مقدسہ کے کسی ایک لفظ سے بھی اپنا دعویٰ ثابت نہیں کرسکتے تھے۔

بالفرض محال آپ تورات شریف اور صحائف انبیاء سے یہ ثابت کر بھی دیتے کہ کلمتہ اللہ نے ایک حرام شے کو بنایا توآپ قرآن کو کیا جواب دیتے جس میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح صاحب کتاب تھے؟ پس صاحبِ شریعت اور شارع ہونے کی حیثیت سے آپ موسوی شریعت کے ماتحت نہ تھے کیونکہ قرآن کے مطابق آپ نے اہل یہود سے کہا وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ یعنی میں تورات کی جو مجھ سے پہلے ہے تصدیق کرتا ہوں اور بعض اشیاء جو تم پر حرام تھیں ان کو حلال کرتا ہوں(سورہ عمران آیت ۴۴)۔

(۲)

مولوی صاحب قرآن اور تاریخ اسلام سے واقف ہیں ان کو یہ علم ہوگا۔ کہ" شراب" حضرت محمد کی زندگی کے آخری زمانہ یعنی ۴ ھجری میں حرام ہوئی۔ اس سے پہلے قرآن نشہ آور پانی" کی تعریف میں رطب اللسان ہوکراس کو عمدہ کھانے کی چیز" بتلاتا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو(وَمِن ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا)یعنی کھجوروں کے میوں اور انگوروں کے پھلوں سے تم لوگ نشہ کی چیز اور عمدہ کھانے کی چیزیں بناتے ہو(نحل ۶۷) قرآن اسی" سکر" کوورِزْقًا حَسَنًا کہتا ہے جو کتب مقدسہ میں (جیسا سطور بالا میں مذکور ہوچکا ہے) حرام تھی، قرآن اسی پر قناعت نہیں کرتا بلکہ اس " نشہ کی چیز" کو عقل والوں کے لئے ایک نشانی قرار دے کر کہتا ہے کہ إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ یعنی بے شک نشانی ہے۔ اس قوم کے واسطے جو کہ عقل رکھتے ہیں (نحل ۶۷) دیکھئے قرآن اس زمانہ میں " نشہ آور پانی" کو عقلمندوں کے لئے ایک" نشانی" قراردیتا ہے ۔لیکن آپ کا فتویٰ یہ ہے کہ " نشہ آور پانی ہر عقلمند کے نزدیک بہت بُری چیز ہے"(صفحہ ۹۱)۔

اسلامی تاریخ میں یہ وہ زمانہ تھا ۔ جب آنحضرت کے جلیل القدر صحابہ نہ صرف" شراب" پیتے بلکہ بڑی بے اعتدالی کے ساتھ پیتے تھے۔ چنانچہ مولانا اشرف علی تھانوی سورہ نساء کی آیت ۴۶ کے فائدے میں لکھتے ہیں" حضرت عبدالرحمان بن عوف نے چند آدمیوں کی دعوت کی جن میں بہت سے صحابہ بھی شامل تھے۔ کھانے کے بعد شراب پلائی گئی جو اس وقت حلال تھی۔ نشہ کی حالت میں اذان کی آواز کان میں پڑی تو ایک صحابی امام بنے اور نماز شروع ہوئی ۔ انہوں نے پہلی رکعت میں قل یا ایھا کفرون پڑھی اور سب جگہ حروف لا کو حذف کردیا۔ جو توحید کے بھی خلاف تھا۔ اس وقت یہ آیت اتری اور مسلمانوں نے نماز کے قریبی

وقت میں شراب پینی موقوف کردی"(ترجمہ قرآن بد ترجمہ صفحہ ۱۲۲ حاشیہ) پس جب جلیل القدر صحابہ شراب پی کر نماز میں بہکنے لگے تو حکم ہوا۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَقْرَبُواْ الصَّلاَةَ وَأَنتُمْ سُكَارَى حَتَّىَ تَعْلَمُواْ مَا تَقُولُونَ ۔ یعنی اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ جب تم نشہ میں ہو تو نماز کے پاس نہ جاؤ۔ یہاں تک کہ سمجھنے لگو کہ کیا کہتے ہو(نسا آیت ۴۶) جب یہ قرآنی حکم آیا تو لوگ نماز کے وقت شراب نہ پیتے لیکن اس زمانہ میں بھی شراب اور جوُا بازی حلال تھی۔ چنانچہ قرآن میں آیا ہے۔ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا۔ یعنی اے محمد تجھ سے لوگ شراب اور جوئے کی نسبت سوال کرتے ہیں ۔ توکہہ کہ ان دونوں کے استعمال میں جہاں گناہ کی بڑی بڑی باتیں ہیں۔ وہاں لوگوں کو بعضے فائدے بھی حاصل ہوجاتے ہیں۔ لیکن گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑی ہوئی ہیں"(بقرہ ۲۱۶) لیکن اس قسم کے مبہم الفاظ سے لوگ مذبذب ہی رہے۔ چنانچہ حافظ نذیر احمد دہلوی مرحوم لکھتے ہیں کہ " حضرت عمر جیسے جلیل القدر صحابی کو بھی ایک مدت تک خدشہ رہا اور دعا کرتے تھے کہ اے خدا شراب کے بارے میں ہم کو کوئی صاف حکم ملے" (ترجمہ قرآن) مشارق الانوار میں ہے کہ " جب قرآن میں اس مضمون کی آیت اتریں کہ مستی میں نماز مت پڑھو اور شراب میں لوگوں کے فائدے بھی ہیں اور گناہ بھی تو لوگ شراب پیتے تھے اور نماز کے وقت ترک کردیتے تھے"۔ تب یہ حدیث فرمائی ۔ جو مسلم میں ابوسعید سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا۔ اے لوگو البتہ خدا ابھی اشارے کررہا ہے شراب میں۔اور شاید کے آگے اتاریگا اس میں کچھ حکم یعنی کھول کر حرام کردیگا۔ پس جس کے پاس شراب سے کچھ ہو تو چاہیے کہ اس کو بیچ ڈالے اور اس سے فائدے اٹھالیوے۔ ابوسعید سے روایت ہے کہ حضرت کے فرمانے کے بعد تھوڑے دن گزرے کہ قرآن میں شراب کی صاف حرُمت بیان ہوگئی (صفحہ ۱۰۴۲) یعنی یہ آیت نازل ہوئی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالأَنصَابُ وَالأَزْلاَمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ۔ اے ایمان والو بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بُت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب ناپاک باتیں شیطانی کام ہیں(مائدہ ۹۲) ابوسعید سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی حضرت نے فرمایا اب جس کے پاس شراب ہو وہ نہ تو پیئے اور نہ بیچے بلکہ ڈہلکا دیوے۔ سو اسی دن حکم سنتے ہی صحابہ نے برتن توڑ ڈالے اور شراب بہادی۔ ایسا کہ تمام مدینہ میں کیچڑ ہوگئی۔(مشار الانوار صفحہ ۱۰۴۲) پس آنحضرت کی وفات سے صرف سات سال پہلے ۴ ھجری میں جب آپ کی عمر چھپن (۵۶)سال کی تھی شراب حرام ہوئی اور ممنوع ہوئی۔

(۳)

لیکن یہ قرآنی حکم بھی مسلمانوں کے لئے ہی واجب الاطاعت تھا اس کا اطلاق نہ تو یہودیوں اور نہ عیسائیوں پر ہوسکتا تھا۔ پس ہم مولوی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ بفرض محال جو شے حضرت کلمتہ اللہ نے بنائی وہ " شراب" اور " نشہ آور پانی "تھا۔ آپ کس اختیار سے ایک ایسے حکم کا اطلاق (جو آنخداوند سے سوا چھ سوسال بعد اور وہ بھی اہل عرب کے لئے آیا ہو) آنخداوند پر کرکے ان کو موردِ الزام گردان سکتے ہیں؟ کیا آپ کو یہ مجال ہے کہ آپ ان جید صحابہ کو مجرم گردانیں جو اس کثرت سے شراب پیتے تھے کہ ان کے برتن توڑنے سے تمام مدینہ میں کیچڑ ہوگئی "۔ اور جو نماز میں بہک کر ایسی باتیں کہہ جاتے تھے جو " توحید کے بھی خلاف" ہوتیں؟ آپ ان کو بری الذمہ قرار دیں گے کیونکہ ان کے افعال شرعی حکم سے ذرا پہلے کے تھے۔ لیکن اب دو ہزار سال کے بعد امرت سر کے دارالفتاء سے مولوی ثناء اللہ صاحب ایک ایسے شخص پر فتویٰ صادر کرکے اس کو موردِ الزام گرادنتے ہیں جو اس شرعی حکم سے ساڑھے چھ صدیاں قبل دنیا میں پیدا ہوئے تھے۔ اور جن پر صلعبِ شریعت ہونے کی وجہ سے یہ شرعی حکم عائد بھی نہیں ہوسکتا۔

ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

(۴)

امرتسر کے یہ مفتی صاحب نہ تو قرآن کو اس تعمق اور تدبر سے پڑھتے ہیں جس کا وہ حقدار ہے"(صفحہ ۱۴۹) اور نہ وہ کماحقہ حدیثوں سے واقف ہیں۔ اگر آپ بخاری شریف کو ہی جانتے جو قرآن کے بعد اصح الکتب شمار کی جاتی ہے توآپ پر یہ ظاہر ہوجاتا کہ اسلام میں "انگوری شراب" حرام نہیں ہے۔ چنانچہ بخاری میں ہے کہ " عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ جب شراب کی حرمت کی آیت نازل ہوئی ۔ اس وقت پانچ قسم کی شرابیں تھیں جن میں شرابِ انگوری نہ تھی"(بخاری جلد دوم صفحہ ۲۸۷) مترجمہ مرزا حیرت دہلوی مطبوعہ کرزن پریس دہلی ۱۳۲۳ء)

تو براوج فلک چہ دانی چیست گرندانی کہ درسرائے تو کیست؟

اس حدیث سے توآپ کارہا سہا آخری سہارا بھی گر گیا۔ ہم نے سطور بالامیں ثابت کردیاہے کہ جو شے حضرت کلمتہ اللہ نے بنائی وہ " اوینوس" یعنی انگور کارس تھا۔ لیکن بفرض محال اگر آپ کے دعویٰ کوایک لمحہ کے لئے تسلیم بھی کرلیا جائے کہ وہ شے انگوری" شراب" تھی توآپ کس موسوی یا عیسوی یا اسلامی حکم کے ماتحت حضرت کلمتہ اللہ کو مجرم گردان سکتےہیں؟

جب مولوی صاحب مولوی ہو کر قرآن کی حقیقت اور حدیث کے علم سے اس قدر [1]بیگانہ ہیں توہم کس طرح ان سے یہ امید رکھ سکتےہیں کہ وہ کتاب مقدس کا" تدتبر اور عور" سے مطالعہ کرینگے؟

ع تو بیرون درچہ کردی کہ درون خانہ آئی

(۵)

اگر مولوی صاحب نے کبھی تورات اور زبور کا مطالعہ کیا ہوتا توُان پر یہ واضح ہوجاتا کہ " اوینوس" جس کا ترجمہ اردوانجیل میں مے کیا گیاہے اورجوآنخداوند نے اعجازی طور بنائی۔ وہ ایک ایسی شے تھی جس کو خدا کی نعمتوں میں شمار کیا جاتا تھا(زبور ۱۰۴: ۱۵ وغیرہ) موسوی شریعت کے حکم کے مطابق انگور کارس نہ صرف روزانہ قربانی کے ساتھ خدا کے حضور نذر گذرانا جاتا تھا (خروج ۲۹: ۴۰) بلکہ دیگر قربانیوں اور تپاونوں کے ساتھ بھی چڑھایا جاتا تھا(گنتی ۱۵: ۵-۲۸: ۷، ۱۴وغیرہ) اورجس طرح اناج اور تیل اورپہلے پھلوں اور دیگر پیداوار کی دہ یکی شریعت کے حکم کے مطابق دی جاتی تھی اسی طرح " کولھو کے رس" کی دہ یکی دینے کا بھی موسوی شریعت میں حکم تھا(خروج ۲۳: ۳۹، استثنا ۱۸: ۴۔ گنتی ۱۲:۱۸-۲تواریخ ۳۱: ۵ ، نحمیاہ ۱۳: ۱۲- ۱۰: ۳۸، ۳۹) پس یہ شے پاک، طیب اور رزقاً حسناً میں شمار کی جاتی تھی۔ لیکن " شراب" یعنی" نشہ آور پانی" ممنوع تھا۔ (احبار ۱۰: ۹۔ یسعیاہ ۵: ۱۱، ۲۲- ۲۸: ۷۔ ہوسیع ۴: ۱۱۔ امثال ۲۰: ۱-۲۳: ۲۹-۳۱: ۴وغیرہ)۔

(۶)

اگر معترض نے انجیل جلیل کا سطحی مطالعہ بھی کیا ہوتا تواس پرواضح ہوجاتا کہ اہل یہود حلال اور حرام کے سوال کے متعلق نہ صرف تورات شریف کے احکام پر سختی سے عمل کرتے تھے۔ بلکہ اپنے فقہا کی تقلید اور ربیوں کی تعلیم کی پیروی کرکے حلت وحرمت کے معاملہ میں نہایت غلو سے کام لیتے تھے اسی وجہ سے فریسی اور اہلِ فقہ کلمتہ اللہ کے خون کے پیاسے ہوگئے تھے۔ کیونکہ آپ کی غائر نظر ظاہری اور رسمی ناپاکی پر نہیں بلکہ اندرونی باطنی اور رجانی ناپاکی پر تھی۔ چنانچہ لکھا ہے " فریسی اور سب یہودی بزرگوں کی روایات قائم رہنے کے سبب سے جب تک غسل نہ کرلیں نہیں کھاتے تھے" ۔مبادا وہ کسی حرام شے یا ناپاک شخص کو چھوگئے ہوں" اور بہت سی اور باتیں جو قائم رکھنے کے لئے بزرگوں سے ان کو ملیں۔ مثلاً

[1] پس ہم مولوی صاحب کی توجہ کتاب ہفوات المسلمین کے صفحہ ۶۲ اور کتاب تادیب المجاتین حصہ اول صفحہ ۲۳و صفحہ ۵۵ ۶۸، ۱۱۵ تا۱۱۸ ، ۱۴۷ کی مندرجہ حدیثوں کی طرف مبذول کرنے پرہی اکتفا کرتے ہیں۔ عاقل راشاد کافی است (برکت اللہ)

پیالوں اور لوٹوں اور تانبے کے برتنوں کو دھونا"وغیرہ پر نہایت سختی سے عملدرآمد کرتے تھے(مرقس ۷: ۳تا ۵) حضرت کلمتہ اللہ اس قسم کی تقلید کرنے والوں کو ملامت کرکے فرماتے" اے فریسیو تم پیالے اوررکابی کو اوپر سے توصاف کرتے ہو۔ لیکن تمہارے اندر گندگی اور لوٹ بھری ہے۔ اے نادانو۔ جس نے باہر کو بنایا کیا اس نے اندر کو نہیں بنایا؟ پہلے باطن کی چیزوں کو صاف کرو۔ تو دیکھو سب کچھ تمہارے لئے پاک ہوگا ؟ (لوقا ۱۱: ۳۹تا ۴۱) پھر فرمایا" اے فریسیو اور فقیہو۔ تم اپنے بزرگوں اور اماموں کی روایات کوقائم رکھنے میں اس قدر مبالغہ سے کام لیتے ہو کہ خدا کے کلام کو باطل کردینے میں تم کو ذرا تامل نہیں ہوتا۔یسعیاہ نبی نے تمہارے حق میں کیا خوب نبوت کی ہے کہ یہ امت زبان سے تو میری عزت کرتی ہے لیکن ان کا دل مجھ سے دور ہے۔ اور یہ بے فائدہ میری پرستش کرتے ہیں۔کیونکہ انسانی احکام کی تعلیم دیتے ہیں "۔ یہ فرما کر کلمتہ اللہ نے عوام کو پاس بلا کر ان سے کہا" سنواور سمجھو جو چیز منہ میں جاتی ہے وہ انسان کو ناپاک نہیں کرتی بلکہ جو منہ سے نکلتی ہے وہی آدمی کو ناپاک کرتی ہے۔ کیونکہ جو کچھ منہ میں جاتا ہے وہ پیٹ میں پڑتا ہے اور مزبلہ میں پھینکا جاتا ہے ۔مگر جو باتیں منہ سے نکلتی ہیں وہ دل سے نکلتی ہیں اور وہی انسان کو ناپاک بھی کرتی ہیں۔ مثلاً بُرے خیال ، خونریزیاں ، زناکاریاں، حرام کاریاں، چوریاں، جھوٹی گواہیاں، لالچ، بدیاں، مکر، شہوت پرستی ، بد نظری ، بد گوئی، شیخی وغیرہ دل ہی سے نکلتی ہیں جو آدمی کو ناپاک کرتی ہیں"(متی ۱۵ باب ، مرقس ۷ باب) انجیل نویس مذکورہ بالا واقعہ کو لکھ کرکہتا ہے۔ یہ فرما کر" اس نے تمام کھانے کی چیزوں کو پاک ٹھہرایا"۔(مرقس ۷: ۱۹)۔

فریسی بھی آنخداوند کے اقوال سے یہی سمجھے اور وہ بگڑگئے ۔ چنانچہ حواریوں نے آنخداوند سے کہا"۔ کیاآپ کو معلوم ہے کہ فریسیوں نے آپ کی بات سن کر ٹھوکر کھائی ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ " جو پودا میرے آسمانی باپ نے نہیں لگایا وہ جڑ سے اکھاڑاجائیگا۔ ان فریسیوں کو جانے دووہ اندھے راہنما ہیں۔اگر اندھے کو اندھا راہ بتائیگا تووہ دونوں گڑھے میں گریں گے "۔(متی ۱۵: ۱۲تا ۱۴) کلمتہ اللہ کا مطلب یہ تھا کہ فی نفسہ کھانے پینے کی چیزیں حلال اور حرام یا پاک اور ناپاک نہیں۔ بیرونی پاکیزگی اور باطنی پاکیزگی دو الگ اور جداگانہ چیزیں ہیں۔ اور ظاہری پاکیزگی کا تعلق روحانی پاکی کے ساتھ نہیں۔ یہ لازم نہیں آتا کہ اگر کوئی شخص حلال اشیاء ہی کھاتاہے تووہ باطن میں بھی نیک ہو۔ حرام شے کا کھانا اور بدی کے کام کرنا لازم وملزوم نہیں ۔ یہ درحقیقت قرآنی آیہ کی اصلی انجیل تفسیر ہے جس میں حضرت عیسیٰ اہل یہود کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُواْ اللّهَ وَأَطِيعُونِ یعنی میں تورات کی جو مجھ سے پہلے ہے تصدیق کرتاہوں اور بعض اشیاء جو تم پر حرام تھیں ان کو حلال کرتاہوں اور تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشان لے کرآیا ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو۔(عمران ۵۰)۔

حضرت کلمتہ اللہ کے اصول پر عمل کرکے آپ کے رسولوں اور حواریوں نے یہی تعلیم دی" اورمجھے یقین ہے کہ کوئی چیز بذاتہ حرام نہیں۔---۔ خدا کی بادشاہی کھانے پینے پر موقوف نہیں بلکہ راستبازی ، محبت ،اتفاق اور اس خوشی پر موقوف ہے ۔ جو روح القدس کی طرف سے ہوتی ہے اورجو کوئی اس طور سے مسیح کی خدمت کرتا ہے۔ وہ خدا کا پسندیدہ اور آدمیوں کا مقبول ہے"(رومیوں ۱۴: ۱۴تا ۱۸) "خدا کی پیدا کی ہوئی ہر چیز اچھی ہے اور کوئی چیز انکار کے لائق نہیں بشرطیکہ شکر گزاری کے ساتھ کھائی جائے ۔ اسلئے کہ خدا کے کلام اور دعاسے پاک ہوجاتی ہے"۔(۱ تمطاؤس ۴: ۴) مقدس پولوس نے اس حلت وحرمت کے اصول کو بھی کلمتہ اللہ کے عالمگیر اورجامع اصول یعنی محبت کے اصول کے ماتحت کرکے ارشاد فرمایا۔

" آپس کی محبت کے سوا کسی چیز میں کسی کے قرضدار نہ رہو۔ کیونکہ جو دوسرے سے محبت رکھتا ہے اس نے شریعت پر پورا عمل کیا۔ کیونکہ تمام شرعی احکام کا خلاصہ اس

بات میں پایا جاتا ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھ۔ محبت شریعت کی تکمیل ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ بلکہ سیدنا مسیح میں مجھے یقین ہے کہ کوئی چیز بذاتہ حرام نہیں لیکن جو اس کو حرام سمجھتا ہے اس کے لئے حرام ہے۔ اگر تیرے بھائی کو تیرے کھانے سے رنج پہنچتا ہے توپھر تومحبت کے قاعدے پر نہیں چلتا۔ کھانے کی خاطر خداکے کام کو مت بگاڑ۔ ہر چیز پاک توہے مگراس آدمی کے لئے بُری ہے جس کو اس کے کھانے سے ٹھوکر لگتی ہے۔ مبارک وہ ہے جو اس چیز کے سبب سے جس کو وہ جائز رکھتا ہے اپنے آپ کو ملزم نہیں ٹھہراتا"۔(رومیوں ۱۳ ، ۱۴ باب)۔

پس انجیل جلیل کے اصول کے مطابق انگور کا رس مے۔ سکر، شراب ، وغیرہ فی نفسہ حرام نہیں۔ کسی شے کا حلال یا حرام ہونا اس کے استعمال پر موقوف ہے ۔ یعنی اس بات پر کہ اس کے استعمال سے استعمال کرنے والے کی اپنی یا کسی دوسرے کی روحانی پاکیزگی اور باطنی نشوونما پر اثر پڑے اور کسی دوسرے شخص کو اس کے استعمال سے نہ ٹھوکر لگے اور نہ رنج پہنچے۔ اس اصول کے ماتحت اگر انگور کا رس یا مے یا سکر یا شراب یا نشہ آور پانی پینے سے کوئی شخص بہکی باتیں کرتا ہے تو متوالا ہوجاتا ہے تو دوسروں کے لئے ٹھوکر کا باعث ہوجاتا ہے۔

مے کہ بدنام کند اہل خردار۔ غلو است

بلکہ خود مے شود از صحبت نادان بدنام

(۷)

انجیل جلیل میں شراب نوشی اورمے خواری نشہ بازی وغیرہ کو پینے والوں کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے ممنوع قرار دیا گیا ہے(۱۔پطرس ۴: ۱۳) کیونکہ اگراس کا استعمال حدِ تجاوز کرجائے تو باطن کی پاکیزگی پر اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ کلمتہ اللہ نے فرمایا" پس خبردار رہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے دل خمار اور نشہ بازی سے ست ہوجائیں "(لوقا ۲۱: ۳۴) اور مقدس پولوس بھی فرماتا ہے کہ " ہم تاریکی کے کاموں کو چھوڑ کر روشنی کے ہتھیار باندھ لیں۔ جیسا دن کو شایاں ہے شائستگی سے چلیں۔ نہ کہ ناچ رنگ اور نشہ بازی سے نہ زناکاری اور شہوت پرستی سے اور نہ جھگڑے اور حسد سے بلکہ سیدنا مسیح کو پہن لو اور جسم کی خواہشوں کے لئے تدبیریں نہ کرو"(رومیوں ۱۳: ۱۲ تا ۱۴) پھر پُرزور الفاظ میں ارشاد ہوتا ہے" کیا تم نہیں جانتے کہ بدکار خدا کی بادشاہی کے وارث نہ ہوں گے۔ فریب نہ کھاؤ، نہ حرامکار خدا کی بادشاہی کے وارث ہوں گے ، نہ بت پرست نہ زناکار، نہ عیاش ، نہ لونڈے باز، نہ چور، نہ لالچی، نہ شرابی نہ گالیاں بکنے والے ۔ نہ ظالم" (۱ کرنتھیوں ۶: ۹) پھر تاکید کے فرماتا ہے کہ" میں یہ کہتاہوں کہ روح کے موافق چلو تو جسم کی خواہش کو پورا نہ کرسکوگے جسم کے کام ظاہر ہیں یعنی حرامکاری ناپاکی، شہوت پرستی ، بُت پرست ۔جادوگری ،عداوتیں ، جھگڑا ، حسد ، غصہ ، تفرقے ، جدائیاں ، بدعتیں ، بغض، نشہ بازی، ناچ رنگ وغیرہ۔ جو مسیح یسوع کے ہیں انہوں نے جسم کو اس کی رغبتوں اور خواہشوں سمیت صلیب پر کھینچ دیا ہے"(گلتیوں ۵: ۱۶ تا ۲۴) رسول مقبول شراب نوشی، اور نشہ بازی کی ممانعت پر اس قدر اصرار کرتا ہے کہ وہ فرماتا ہے کہ شریر شرابی کو برادری سے خارج کردیا جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے "اگر کوئی بھائی کہلا کر حرام کار یا لالچی یا شرابی یا ظالم ہو تو اس سے صحبت نہ رکھو۔ بلکہ ایسے کے ساتھ کھانا تک نہ کھانا"۔(۱ کرنتھیوں ۵: ۱۱ تا ۱۳) لیکن یہ بات یادرکھنے کے قابل ہے کہ انجیل جلیل میں نہ خود کلمتہ اللہ نے اور نہ آپ کے رسولوں نے انگور کے رس کو فی نفسہ حرام قرار دیا۔ چنانچہ مقدس پولوس کا ایک مبلغ تمطاؤس عین عالم شباب میں (۱ تمطاؤس ۴: ۱۳) جسمانی ریاضت کی وجہ سے سخت نحیف اور لاغر ہوگیا تھا(۴: ۸) اس کو رسول مقبول نے حکم لکھ بھیجا کہ " آئندہ کو صرف پانی ہی نہ پیا کر بلکہ اپنے معدہ اور اکثر کمزور رہنے کی وجہ سے ذرا سا انگور کا رس بھی کام میں لاکر"(۵: ۲۳)۔

ہم نے دیدہ دانستہ اس مضمون کو طول دیا ہے۔ تاکہ معترضین اس بحث کے مختلف پہلوؤں سے بخوبی واقف ہوکر ہوائی اعتراض کرنے سے محترز رہیں۔ اس قسم کے اعتراض

کرکے وہ مسیحیت کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ ہاں وہ اللہ اور اس کے رسول پر جو اس کا کلمہ اور روح ہے بہتان لگا کر عملی طور پر قرآن واسلام کے اصولوں کا انکار کرتے ہیں جس کی مولوی صاحب کی کتاب ایک جیتی جاگتی زندہ گواہ ہے۔

ہم نے اتمامِ حجت کی خاطر حضرت کلمتہ اللہ کے کلماتِ طیبات اور انجیل جلیل کی آیات کی روشنی میں اس موضوع پر بحث کی ہے۔ تاکہ مسلمان معترضین اپنے کفر سے باز آکر توبہ کریں اور ہمیں امید ہے کہ ہر نیک نیت معترض کو ہمارے جواب سے تشفی حاصل ہو گئی ہو گی۔

باب پنجم

چوتھا اعتراض

کیا مجلس بادہ خوری کی تھی؟

اعتراض کا رنگ

مولوی ثناء اللہ صاحب انجیل یوحنا کی ۲: ۴ کی طرف اشارہ کرکے منجی عالمین سیدنا مسیح کے خلاف یوں زہر چکانی کرتے ہیں (نقل کفرُ کفرُ نہ باشد)

"پادری برکت اللہ صاحب کی طرف سے یہ عذر ہوسکتا ہے کہ وہ مجلس شراب خوری کی تھی اس لئے اس کے اثر سے اگر یہ فقرہ منہ سے نکل گیا ہو تو قابل درگذر ہے۔ شیخ سعدی نے بھی اسی لئے کہا ہے۔ع

"محتسب گرمے خورد معذور دار مست را" (صفحہ ۱۴۸)

ناظرین مولوی صاحب کے الفاظ کو پڑھیں اور دیکھیں کہ آپ نے کس ہوشیاری سے یہ اعتراض کیا ہے کہ مجلس شراب خوری کی تھی۔ مسیح شراب پی کر متوالے تھے۔ اوراس کے اثر سے بہکی باتیں کرگئے اورماں کی بے ادبی بھری مجلس میں کردی۔ اعتراض ایسے پیرایہ میں کیا گیا ہے کہ اگر مومن مسلمان کہے کہ تم نے حضرت کلمتہ اللہ کی توہین کی ہے کہ تو کفر وایمان کا سنجوگ کرنے والا معترض اپنی بریت میں کہہ دے کہ میں نے حضرت مسیح کی ذات پر حملہ نہیں کیا۔ میں نے جملہ شرطیہ کا استعمال کرکے صرف عیسائیوں کی طرف سے ایک " عذر" پیش کیا ہے۔

برکفے جامِ شریعت برکفے سندان عشق
ہرہوسناکے نداند جام وسندان یافتین

لیکن اخبار اہلِ حدیث میں تومولوی آنجہانی کھلے طور پر ننگے الفاظ میں کہتے ہیں "مسیح سے یہ گناہ سرزد ہوا کہ وہ شراب کی مجلس میں حاضر ہوا"۔(اخبار اہلِ حدیث ۲۶ دسمبر ۱۹۴۱ء)۔

خلیفہ قادیان مبارک بادی کے مستحق ہیں کہ ان کے کٹر مخالف ان کے باپ کی کاسہ لیسی کرتے ہیں اورانہوں نے اس خاص اعتراض کے دہرانے میں قادیان کے آگے زانوائے شاگردی تہ کیا ہے۔ مرزا صاحب (غفر اللہ ذنوبہ) نے اہل یہود کی پیروی کرکے (لوقا ۷: ۳۳تا ۳۵) کلمتہ اللہ پر یہی بہتان باندھا تھا۔ حق تو یہ ہے کہ مسیحیت کی دشمنی میں ان مخالفین کو اپنے پرائے کی ہوش نہیں رہی ۔ اور وہ اسلام کے ایک اولعزم پیغمبر پر بے باکانہ حملے کررہے ہیں۔

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینہ کے داغ سے
اس گھر کوآگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

کلمتہ اللہ کیا کھاتے پیتے تھے؟

حضرت کلمتہ اللہ ایک غریب بڑھئی کے خاندان میں پیدا ہوئے (مرقس ۶: ۳۔ لوقا ۲: ۲۴) لہذا آپ وہی کھاتے پیتھے تھے۔ جو غریب طبقہ کے محنتی اور جفا کش لوگ روزانہ مزدوری (متی ۲۰: ۱۰) کھاکر "روز کی روٹی"(متی ۱۶: ۱۱، ۳۴) کھاتے تھے(متی ۱۰: ۹۔۶: ۲۸تا ۳۱) جب آپ اس دنیا میں پیدا ہوئے توآپ ایسی جگہ پیدا ہوئے ۔ جہاں نہ کوئی مکان تھا اور نہ کوئی چھت تھی (لوقا ۲: ۷) آپ کے افلاس کا یہ عالم تھا کہ آپ نے فرمایا" لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے مگر ابنِ آدم کے لئے سر دھرنے کی بھی جگہ نہیں"(لوقا ۹: ۵۸) پس آپ کا کھانا پینا اور طرزِ رہائش وہی تھی جو مفلس اور غریب طبقہ کے لوگوں کی تھی۔

گذشتہ باب میں ہم ذکر کرچکے ہیں کہ اہل یہود روٹی کے ساتھ انگور کارس بعینہ اس طرح پیتے تھے جس طرح پنجاب کے غرباء روٹی کے ساتھ گڑکا شربت یا چھاچھ پیتے ہیں۔ پس آنخداوند بھی دیگر غرباء کی طرح سادہ روٹی کھاتے تھے اور روٹی کے بعد سادہ پانی پیتے تھے (یوحنا ۴: ۷) یا انگور کارس پیتے تھے(لوقا ۷: ۳۴) اور عید تیوہار کے روزآپ روٹی کے بعد (لوقا ۲۲: ۲۰) " انگور کا شیرہ" پیا کرتے تھے جوشہد کی قسم کا ہوتا تھا(متی ۲۶: ۲۹، مرقس ۱۴: ۲۵۔ لوقا ۲۲: ۲۸) معترضین شیرہ پر تو اعتراض بھی نہیں کرسکتے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت نے فرمایا"۔ جو تم میں سے کوئی شیرہ پئے توچاہیے کہ اکیلی کا پئے۔ خواہ صرف منقے کا خواہ صرف پکی کھجور کا خواہ فقط گدر کھجور کا" یہ حدیث حضرت نے اس واسطے فرمائی کیونکہ شراب کے حرام ہونے کے بعد عرب کھجور کو چوُر کرکے بھگور کھتے اوراس کا شیرہ پیتے تھے جس کو" نبیذ کہتے تھے" (مشارق الانوار نمبر ۱۰۱) آنخداوند انگور کے رس اور شیرہ کو خدا کی عطا کردہ نعمت سمجھ کرپیتے اور خدا کا شکر بجالاتے (زبور ۱۰۴: ۵۔لوقا ۲۲: ۵)۔

انجیل جلیل کا ایک ایک ورق چھان مارو چاروں انجیلوں کی ایک ایک آیت کی" بال کھال" نکال(صفحہ ۵۱) توآپ کو کہیں نہ ملیگا کہ حضرت کلمتہ اللہ نے پانی یا انگور کے رس یا انگور کے شیرہ کے علاوہ کبھی" نشہ آور پانی" پیا ہو ہم اوپر بتلاچکے ہیں۔ کتبِ عہد عتیق میں جو چیزیں انگور سے ملتی ہیں انکے نو مختلف نام ہیں۔ کُتب عہدِ جدید سے ظاہر ہے کہ آنخداوند انگور کے رس اور شیرہ کے سوا باقی تمام چیزیں از قسم سکر، تیروش، خمرہ وغیرہ کبھی زبان پر نہ لائے۔ آپ کے پرہیز کا یہ عالم تھا کہ جب آپ صلیب پر لٹکائے گئے توجوشے از قسم شراب

مصلوبوں کو پلائی جاتی تھی تا کہ ان کو اذیت کا احساس کم ہو جب وہ آپ کے پیش کی گئی (لوقا ۲۳: ۳۶) توآپ نے وہ بھی نہ پی (متی ۲۷: ۳۴)۔

(۲)

مولوی ثناء اللہ صاحب کی دریدہ دہنی ملاحظہ ہو۔آپ" خدا کے قدوس" (مرقس ۱: ۲۴)۔ پر بہتان لگانے سے ذرا نہیں جھجکے ۔ کیا مولوی صاحب انجیل جلیل کے کسی ایک مقام سے بھی یہ بتلاسکتے ہیں کہ کسی شخص نے کسی وقت بھی مسیح کو مخمور دیکھا ہو یا" شراب کے اثر سے "بدمست ہو کر لڑکھڑاتے ہیں یا بہکی باتیں کرتے پایا ہو؟ کیا یہ بات قرآن میں کہیں درج ہے ۔ یا رسول عربی سے کسی حدیث میں آئی ہے؟ پس جب یہ بات نہ انجیل میں نہ قرآن وحدیث میں کسی جگہ موجود ہے توآپ کو کیا حق حاصل ہے کہ آپ ایک ایسی شرمناک پوزیشن اختیار کریں جو عیسائیوں اور مسلمانوں دونوں کے نزدیک کفرُ ہے؟ کیا آپ دائرہ اسلام میں رہ کر عیسائیوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے جوآپ کو یہ ضرورت پڑی کہ قرآن وحدیث کو بمصداق قرآنی آیہ وراء ظہور ہمہ پیٹھ پیچھے پھینک قادیان کو اپنا قبلہ بنا کر یہود کے ہم زبان ہو کرآپ نے وجیھا فی الدنیا والاخرۃ پر ایسا ناپاک بہتان لگایا جو شعورِ انسانی سے بھی خالی ہے۔

ع   شدہ گفتی ہمہ چیرہ بمغزش علت سودا

قریش حضرتِ رسول عربی پر بہتان طرازی کرتے تھے۔ اور ان کو جادو گر کہتے تھے (احقاف ۶ وغیرہ) لیکن ان کے اس بہتان کی بناء پر کوئی " صحیح العقل شخص آنحضرت کو جادو گر قرار نہیں دیگا۔ اسی طرح اہل یہود کلمتہ اللہ پر بہتان لگاتے تھے کیونکہ وہ بالفاظ قرآن "قسی القلب" تھے ۔ وہ اللہ کے ہر نبی اور فرستادہ رسول پر بہتان لگاتے اور ستاتے اور قتل کرتے تھے۔ (متی ۲۳: ۳۱تا ۳۸) چنانچہ حضرت یوحنا بپتسمہ دینے والے پر یہ الزام لگاتے تھے کہ یہ نہ روٹی کھاتا ہے اور نہ انگور کا رس پیتا ہے پس" اس میں بدروح ہے "(لوقا ۷: ۳۳) حقیقت یہ تھی کہ حضرت یوحنا کی نسبت اللہ نے فرشتے کی معرفت فرمایا تھا کہ وہ انگور کا رس

اور نہ کوئی شراب پیئے گا (لوقا ۱: ۱۵ ، گنتی ۶: ۳) اس الہیٰ فرمان کے مطابق حضرت یوحنا نہ صرف انگور کا رس پینے سے احتراز کرتے تھے بلکہ روٹی تک نہیں کھاتے تھے ۔ ان چیزوں کی بجائے آپ کی خوارک" ٹڈیاں اور جنگلی شہد تھا"(متی ۳: ۴) جو حلال اشیاء تھیں۔ (احبار ۱۱: ۲۲۔ ۱سیموئیل ۱۴: ۲۵تا ۳۰ وغیرہ)قرآن میں اسی واسطے حضرت یوحنا کی نسبت آیا ہے کہ أَنَّ اللّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَـى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ۔ تحقیق اللہ بشارت دیتا ہے ۔ تجھ کو یحییٰ کی جو کلمتہ اللہ کی تصدیق کرنے والا ہوگا اور سردار ہوگا۔ اور عورتوں کی طرف سے اپنے نفس کو روکنے والا ہوگا۔ اور نبی بھی ہوگا اور صالحوں میں سے ہوگا (آل عمران آیت ۳۴) پس حضرت یوحنا خوراک وغیرہ تمام جائز لذتوں سے اپنے نفس کو روکنے والے تھے۔ لہذا یہود کہتے تھے کہ یہ پاگل ہے اس میں بدروح ہے (لوقا ۷: ۳۳) لیکن منجئی عالمین روٹی اور انگور کا رس خدا کی عطا کردہ نعمت سمجھ کر کھاتے پیتے تھے اوریہود ان پر یہ بہتان لگاتے کہ " یہ کھاؤ اور شرابی " ہے یعنی حدِ اعتدال سے زیادہ کھاتا پیتا ہے(لوقا ۷: ۳۴) آنخداوند نے یہود کے دونوں بہتانوں کا جواب دے کر فرمایا کہ " حکمت اپنے کاموں سے راست ثابت ہوئی "(متی ۱۱: ۱۹) یعنی سب حکمت پسند شخص جانتے ہیں کہ نہ یوحنا پاگل تھا اور نہ میں کھانے پینے کے معاملے میں حداعتدال سے تجاوز کرتا ہوں۔ حضرت یوحنا روٹی نہ کھانے اور انگور کا رس نہ پینے اور ریاضت کی زندگی بسر کرنے کی وجہ سے " پاگل" قرار نہیں دیئے جاسکتے۔ اورمیں روٹی کھانے اور انگور کا رس پینے کی وجہ سے "پیٹو" اور "شرابی" قرار نہیں دیاجاسکتا۔ بلکہ ہم دونوں کے عہدِ نبوت اور تبلیغ کے نتائج یہ واضح کردیتے ہیں کہ ہم دونوں کے طریقہ کار اپنی اپنی جگہ درست اور"راست" ہیں(لوقا ۷: ۳۵) اسی طرح چھ سو سال بعد قرآن میں بھی یہود کے ناپاک بہتانوں کو خاص طورپر رد ٹھہرایا گیا۔ اور وہ " ناخلف" اور یہود صم بکم" خاموش رہ گئے۔

مرزائے قادیانی (غفر اللہ ذنوبہ) کی یہ عادت تھی کہ آپ اہل یہود کے بہتانوں کو چٹخارے لے کر اور نمک مرچ لگا کر دہرایا کرتے تھے۔ پچاس سال کے قریب ہوئے سلطان المناظرین حضرت اکبر مسیح صاحب نے مرحوم آنجہانی مرزا جی کی ہزلیات کا مسکت جواب "ضربتہ عیسوی" میں دیا۔ جس کے جواب میں قادیان سے صدائے برنخاست۔ اس قسم کے مسلمان معترضین نے قرآن کو پس پشت پھینک دیا دائرہ اسلام سے باہر نکل، اللہ کے بجائے اہل قادیان کو ارباب من دون اللہ مان اور کتاب اللہ کے بجائے مرزا جی کی تحریرات کو حرزجان بنالیا ہے۔ اورآپ دوہزار برس کے مردے آج اکھیڑ کر ملک کی مذہبی فضا کو مکدار اور متعفن کررہے ہیں۔ اور یہ گورکنی مایہ ناز سمجھی جارہی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ ایسے مناظرین کے رنگِ مباحثہ نے علم مناظرہ کو اس کی بلندیوں اور لطافتوں سے محروم کرکے کثافت اور گندگی میں آلودہ کردیا ہے۔

پھرے زمانہ پھرے آسمان ہوا پھر جا

بتوں سے ہم نہ پھریں ہم سے گو خدا پھر جا

(۳)

حضرت کلمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کھانے پینے میں اعتدال سے کام لیتے تھے(متی ۱۱: ۱۹) اوراسی قسم کی میانہ روی کی جانب قرآن مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے جب وہ کہتا ہے کہ۔ اعدلوھو قرب اللتقوی یعنی" اعتدال کو کام میں لاؤ۔ کیونکہ وہ تقوےٰ کے قریب ہے " منجی عالمین خدا کی ہر پیدا کردہ شے کو (زقا حسناً) تصور کرکے اس کا معتدل استعمال جائز سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا رویہ حضرت یوحنا کا سانہ تھا۔ نہ آپ تپسی راہب تھے اور نہ زاہد خشک۔ جب آپ کسی جگہ مدعو کئے جاتے تو آپ کو ہر کہ دمہ کے گھر تشریف لے جاتے(لوقا ۷: ۳۶۔ ۱۴: ۱۔ متی ۹: ۱۰۔ یوحنا ۲: ۱ وغیرہ)اوران کی خوشی اور ضیافت میں شریک ہوتے۔ آپ خوشی کرنے والوں کے ساتھ خوشی کرتے اورماتم کرنے والوں کے ساتھ روتے۔(یوحنا ۱۱: ۳۲تا۳۷وغیرہ) اور یوں آپ نے دیگر انسانوں کی سی زندگی بسر کی۔

خدا نے جو مکاشفہ ہم کو مسیح میں بخشا ہے وہ تپس اورہبانیت کا نہیں بلکہ ایسا ہے جس سے ہر انسان اپنی سادہ زندگی فطرت کے مطابق بسر کرسکتا ہے۔ کلمتہ اللہ کی تعلیم میں ضبط اورایثار نفس کی تلقین کی گئی ہے۔(لوقا ۱۹: ۲۳۔ مرقس ۸: ۳۴تا۳۷ وغیرہ) لیکن آپ نے دل اور باطن کی پاکی کو کبھی تپس اور جسمانی ریاضت کے مترادف قرار نہ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ مسیحیت کے لئے رہبانیت کوئی ضروری اورلازمی شرط نہیں۔ لیکن معترض اپنے جوشِ اعتراض میں حقائق کی طرف سے اغراض کرکے ایک طرف تو مسیح اور مسیحیت پر رہبانیت کا الزام لگاتے ہیں اور دوسری طرف مسیح کو شرابی اور نشہ باز بتلاتے ہیں!!

ع الٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے

شادی کی محفل یا شراب خوری کی مجلس؟

مولوی صاحب کہتے ہیں کہ وہ" مجلس شراب خوری کی تھی" واللہ علم ان کے پاس اس دعویٰ کے لئے کیا سند ہے۔ انجیل جلیل میں تو صاف لکھاہے کہ " تیسرے دن قانائے گلیل میں ایک شادی تھی۔ اوریسوع اوراس کے شاگردوں کی بھی اس شادی میں دعوت تھی"(یوحنا ۲: ۱تا ۲) پس یہ محفل شادی کی محفل تھی جس میں مقدسہ مریم بی بی اور کلمتہ اللہ کی سی مقدس ہستیاں مدعو تھیں ایسی محفل کو" مجلس شراب خوری" قرار دینا جہاں ارباب نشاط کا جھرمٹ لگا ہوپرلے درجے کی قساوت قلبی نہیں تو اور کیا ہے؟ اس قسم کے اعتراضات ظاہر کرتے ہیں کہ آپ کی قادیان سے ملی بھگت ہے۔

آپ کو یہ خیال نہ آیا کہ آپ ایسی شخصیتوں پر اعتراض کررہے ہیں جن کی نسبت قرآن میں آیا ہے کہ وِإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا یعنی اللہ فرماتا ہے کہ تحقیق میں نے پناہ اس کو ساتھ تیرے اور اولاد اس کی کو راندے ہوئے شیطان سے ۔ پس قبول کیا کہ اس رب اس کے نے بوجہ احسن۔ اور دی ان کو نشوونما عمدہ :طور پر (آل عمران آیت ۳۱تا ۳۲) کیا آپ کا ناپاک بہتان انہی قرآنی آیات کی تفسیر ہے؟ کیا اللہ شیطان رجیم سے اسی طرح "پناہ" دیا کرتا ہے اوراسی طور پر" عمدہ نشوونما کیا کرتا ہے کہ وہ شراب خوری کی مجلس میں شامل ہو کر۔ بھکی باتیں کیا کریں؟ مولوی صاحب کلمتہ اللہ اور انجیل جلیل سے برسرِپیکار نہیں بلکہ اللہ اور قرآن سے مصروف جنگ ہیں۔

واہ کیا راہ دکھائی ہے ہمیں مرشد نے کردیا کعبے کو گم اور کلیسیا نہ ملا اکبر الہ آبادی

(۲)

چونکہ مولوی صاحب اہل یہود کی صحفِ سماوی کے علم سے قطعی طور پر بے بہرہ ہیں اورہم ان کو اوران کے ناظرین کو ان کی لاعلمی کا شکار ہونے سے بچانا چاہتے ہیں لہذا ہم ان کو یہ بتلائے دیتے ہیں کہ اہل یہود میں شادی بیاہ ایک مقدس رسم خیال کی جاتی تھی۔ ان کی صحف مقدسہ میں رشتہ ازدواج ایک مبارک اور پاک رشتہ سمجھا جاتا تھا کیونکہ یہ رشتہ اس تعلق کا مظہر تھا جو اہل یہود کے خدا اور قوم اسرائیل کے درمیان تھا۔ یہودی کتبِ آسمانی کے مطابق خدا اور اسرائیل کے درمیان ویسا ہی تعلق تھا جیسا زمین پر دولھا اوردلہن میں ہوتا ہے۔ خدا قوم اسرائیل کا دلہا ہے اوراس کی برگزیدہ قوم اس کی دلہن ہے۔ غزل الغزلات میں چھ دفعہ یسعیاہ نبی کے صحیفہ میں تین دفعہ(۶۲: ۵ وغیرہ) یرمیاہ نبی کے صحیفہ میں ایک دفعہ خدا اور قوم اسرائیل میں اس رشتہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی قوم اسرائیل خدا سے برگشتہ ہو کر غیر معبودوں کی پرستش کرنے لگی تو خدا اپنے انبیاء کی معرفت بار بار اس کو "زناکار" کا خطاب دیتا (یسعیاہ ۵۷: ۳۔ یرمیاہ ۳: ۹۔ ۵: ۷۔ حزقی ایل ۲۳: ۳۷۔ ہوسیع ۲: ۲ وغیرہ) کلمتہ اللہ نے بھی اس لفظ" زناکار" کو خدا سے برگشتگی اور بغاوت" معنوں میں استعمال کیا ہے(متی ۱۲: ۳۹۔ ۱۶: ۴) اس محاورہ کا اصلی مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے مولوی صاحب نے منجئی عالمین کو بار بار کوسا ہے(صفحہ ۱۶۹، ۱۷۹ وغیرہ وغیرہ) اسی طرح طلاق ، خدا اوراس کی قوم اسرائیل کے باہمی تعلقات کے لوٹ جانے کی دنیاوی مثال ہے(یسعیاہ ۵۰: ۱۔ یرمیاہ ۳: ۸ وغیرہ) اسی مثال کو مقدس پولوس اور مقدس یوحنا نے اس پاک رشتہ کے لئے اوراس کے لوٹ جانے کے لئے استعمال کیا ہے۔(رومیوں ۷: ۱تا ۶ مکاشفہ ۱۹: ۷وغیرہ)۔ اہل یہود کی کُتب سماوی اسلام اور قرآن کی طرح اس رشتہ کو بالفاظ مولوی صاحب" مصنوعی" (صفحہ ۱۳۹) خیال نہیں کرتی تھیں بلک اس کو ایک پاک اور مقدس رشتہ تسلیم کرتی تھیں(مرقس ۱۰: ۶)۔

پس اہل یہود میں شادی بیاہ کی محفل میں مہمان صرف اشیائے خورد ونوش میں ہی منہمک نہیں رہتے تھے بلکہ ان کے خیال اس رشتہ کی پاکیزگی کی وجہ سے ضیافت میں خدا کی جانب منعطف کئے جاتے تھے جو قوم اسرائیل کا دلہا تصور کیا جاتا تھا(مکاشفہ ۱۹: ۱۹) اہل یہود میں جو پارسا ہوتے تھے وہ بیاہ سے پہلے روزہ رکھتے اوراپنے گناہوں کا اقرار کرکے مغفرت کے طلبگار ہوتے تھے۔ پس مولوی صاحب کا اس قسم کی شادی کی محفل کو" مجلس شراب خوری" کہنا انتہائی لاعلمی ۔ گستاخی اور توہین پر دلالت کرتا ہے۔

باب چہارم میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ قدرت نے ارضِ مقدس کنعان کی سرزمین میں تاک کی پیدائش کے لئے اس قدر موزوں بنایا تھا کہ گھر گھر تاکستان تھے۔ اور سب یہودی روٹی کے بعد انگور کا رس ازقاً حسناً سمجھ کر پیتے اوراس طیب شے کے لئے خدا کا شکر بجالاتے تھے (زبور ۱۰۴: ۱۵ وغیرہ) مرحوم یہودی عالم ابراہام فرماتے ہیں کہ "یہودی بیاہ کی خصوصیت ہے کہ برکت کے سات کلمے پڑھے جاتے ہیں اور برکت کا پہلا کلمہ انگور کے رس کے لئے ہے۔

جس کے الفاظ یہ ہیں" اے خداوند ہمارے خدا۔ تمام کائنات کے بادشاہ۔ تومبارک ہے جس
نے ہمارے لئے انگور کا پھل پیدا کیا ہے"۔پس مجرد انگور کے رس کی موجودگی شادی کی محفل
کو" مجلسِ شراب خوری" میں تبدیل نہیں کرسکتی"

(۳)

یہ بات قابل غور ہے کہ جس خاندان میں شادی تھی گووہ ایک مفلس اور غریب خاندان تھالیکن وہ شریف النسب تھا۔ پس دلہا نے جو اشیائے خوردونوش کا ذمہ وار ہوتا تھا(قضاۃ ۱۴: ۱۰) اپنی غریبی کی وجہ سے انگور کارس صرف اتناہی مہیا کیا تھاجتناوہ خیال کرتا تھا کہ مہمانوں کے لئے کفایت کریگا۔یہی وجہ تھی کہ انگور کارس کم بھی ہو گیا تھا۔ پس مقدار کی کمی صاف ثابت کرتی ہے کہ یہ " مجلس شراب خوری" نہ تھی جہاں دنیاجہان کے میگسار اور بادہ خوار ارباب چنگ ونشاط ناچ رنگ میں مشغول تھے ۔کہاں اس شریف اور غریب خاندان کا افلاس اورکہاں مطرب اورچنگ اورساقی اور ساغر ومینا کا دور!

(۴)

اس غریب گھرانے میں مہمانوں کی قلیل مقدار کا اندازہ اس بات سے ہوسکتاہے کہ بالفاظ انجیل نویس" وہاں یہودیوں کی طہارت کے دستور کے مطابق پتھر کے صرف چھ مٹکے رکھے تھے اوران میں دو دو تین تین من پان کی گنجائش تھی"(آیت ۶)جو لوگ یہودیت سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس قوم میں "طہارت" پر کس قدر زور دیا جاتا تھا۔چنانچہ (مرقس ۷: ۱تا ۵ اور مرقی ۲۳: ۲۵تا ۲۶ اور لوقا ۱۱: ۳۸تا ۳۹وغیرہ) ان دستورات کا صرف اشارۃً ذکر کیا گیاہے۔لیکن طہارت کے متعلق اہل یہود کے ربیوں کے احکام کاہم سے امر سے اندازہ کرسکتے ہیں کہ کتاب مشناہ جو چھ حصوں میں تقسیم ہے۔ اس کا چھٹا حصہ جس کا تعلق طہارت سے ہے سب سے زیادہ طویل ہے۔ اس حصے کے بارہ عنوانات ہیں جن میں ۱۲۶ باب اورایک ہزار ایک فصلیں ہیں۔پہلا عنوان صرف برتنوں کے دھونے کے متعلق ہے۔اوراس کے چار باب ہیں۔ ناظرین اندازہ کرسکتے ہیں کہ اس مجلس میں یہودیوں کی طہارت کےدستور کے مطابق شادی کے کھانا پکانے اور کھلانے کے برتنوں کو دھونے ، مہمانوں کے ہاتھوں کے دھونے اور غسل کرنے ، اشیائے خوردونوش کے پکانے وغیرہ کے لئے کس کثرت سے پانی کی ضرورت ہو گی۔ لیکن بایں ہمہ ان سب باتوں کے لئے وہاں پانی کے صرف" چھ مٹکے" کافی سمجھے گئے۔جن میں" دودو تین تین من کی گنجائش تھی" ان سب باتوں سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ مہمانوں کی تعداد قلیل تھی۔ نوشہ میاں نے انگور کارس قلیل التعداد مہمانوں کے لئے مہیا کرنا ضروری سمجھا تھا۔ لیکن وہ مقدار میں ضرورت سے بھی کم ثابت ہوا۔ یہ کمی کم از کم اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ شادی کی محفل" مجلسِ شراب خوری نہ تھی۔

(۵)

آنجہانی مرزائے قادیانی لکھے گئےہیں کہ حضرت مسیح نے ان چھ مٹکوں کے تمام کے تمام پانی کو" شراب" میں تبدیل کردیا تھا۔ اورجو" شراب" بنی وہ اس حساب سے مقدار میں بارہ اور اٹھارہ من کے درمیان تھی ۔اس اعتراض کی تائید میں مرزا جی نے آیات ۷ و۸ پیش کیں۔ جن میں لکھا ہے کہ آنخداوند نے منتظمین جلسہ کو حکم دیا۔" مٹکوں میں پانی بھر دو۔ پس انہوں نے ان کولباب بھر دیا۔ پھر اس نے ان سے کہا اب نکال کر میرِ مجلس کے پاس لے جاؤ۔ پس وہ لے گئے۔"

لیکن مرزا قادیانی(غفر اللہ ذنوبہ) اوران کے ہم خیالوں کا یہ اعتراض یونانی زبان کے الفاظ اورمحاورات سے ناواقفیت اورلاعلمی پربنی ہے آیت ۸) میں یونانی لفظ "اینٹلائن"(ιντλειν) جس کا ترجمہ اردو میں "نکال کر" کیا گیا ہے یہودی کتب مقدسہ کے یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ اورانجیل جلیل کی اصل یونانی میں ہر جگہ کنوئیں میں سے پانی نکالنے کے لئے ہی استعمال کیا گیا ہے(پیدائش ۲۴: ۱۳۔ خروج ۲: ۱۶تا ۱۹، حزقی ایل ۲: ۱۶۔ یسعیاہ ۱۲: ۳۔ یوحنا ۴: ۷، ۱۵ وغیرہ وغیرہ) تمام کی تمام کتاب مقدس کا یونانی زبان کا ترجمہ چھان مارو۔ یہ لفظ انگور کارس یا خمر یا سکر یا تیروش وغیرہ کومٹکے یا کسی اور ظرف میں سے نکالنے کے لئے کبھی استعمال نہیں ہوا۔ جس سے ظاہر ہے کہ جوشے

منتظمین جلسہ نے مٹکوں میں سے نکالی تھی۔وہ انگور کارس نہیں تھا بلکہ پانی تھا چنانچہ آیت ۹ کے الفاظ صاف بتلاتے ہیں کہ انہوں نے مٹکوں میں سے "پانی نکالا تھا" پس ثابت ہو گیا کہ مٹکوں میں جو" دو دو تین تین من پانی" تھا وہ "پانی" ہی رہا۔ اور منتظمین نے مٹکوں میں سے پانی نکالا تھا۔ اور جو پانی اعجازی طور پر انگور کا رس بنا وہ مٹکوں میں سے نکالنے کے بعد اور میر مجلس کے پاس لے جانے کے درمیانی عرصہ میں انگور کا رس بنا۔یعنی پانی میں جو تبدیلی واقع ہوئی وہ اس وقت کے بعد وقوع پزیر ہوئی جب مٹکوں میں سے پانی نکالا جاچکا تھا۔ پس جتنا پانی منتظمین حسب ضرورت مٹکوں میں سے نکالتے وہ انگور کے رس میں تبدیل ہوجاتا۔ لیکن مٹکوں کے باقی ماندہ پانی نے اپنی شکل اور ماہیت نہ بدلی بلکہ وہ پانی ہی رہا[1]۔

یہ تاویل مذکورہ بالا صحیح تفسیر پر مبنی ہے کہ انجیل جلیل کے کسی لفظ کا مطلب سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان تمام مقامات کا ملاحظہ کیا جائے جہاں وہ لفظ وارد ہوا ہے۔ اس تاویل کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ انجیلی بیان سے کسی لفظ سے بھی یہ نتیجہ اخذ نہیں ہوسکتا کہ مٹکوں کا سارے کا سارا پانی تبدیل ہو گیا تھا جب سب مہمان کھانے پینے سے فارغ ہوگئے تو مٹکوں میں انگور کا رس باقی بچ کر رہ گیا تھا حالانکہ اگر کچھ باقی رہ جاتا تو انجیل نویس اس کا ضرور ذکر کرتا جس طرح وہ پانچ ہزار کے گروہ کو معجزانہ طور پر روٹی کھلانے کے تذکرہ میں لکھتا ہے کہ جب" پانچ ہزار سیر ہوچکے تو یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ بچے ہوئے ٹکڑوں کو جمع کروتا کہ کچھ ضائع نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے جمع کیا اور جو کی پانچ روٹیوں کے ٹکڑوں سے جو کھانے سے بچ رہے تھے بارہ ٹوکریاں بھریں"(یوحنا ۶: ۱۲ تا ۱۳)۔

جب ہم ان دونوں معجزوں کا مقابلہ اور موازنہ کرتے ہیں تو اس کی روشنی میں ہماری تاویل کی تصدیق ہوجاتی ہے۔ روٹی کھلانے کے معجزہ کے وقت" پانچ روٹیاں اور دو مچھلیاں" آنخداوند نے اعجازی طور پر پانچ ہزار کے ہجوم کو کھلائیں۔ لیکن اس وقت یہ" پانچ روٹیاں اور دو مچھلیاں" یکدم اعجازی طور پر روٹیوں اور مچھلیوں کا ڈھیر نہیں ہو گیا تھا بلکہ لکھا ہے کہ "یسوع نے وہ پانچ روٹیاں اور مچھلیاں لیں اور اس نے شکر کرکے ان کو توڑا اور توڑ کر شاگردوں کو دیتا گیا اور شاگردوں لوگوں میں بانٹتے گئے اور اسی طرح مچھلیوں میں سے جس قدر چاہتے تھے بانٹ دیا اور سب کھا کر سیر ہوگئے"(یوحنا ۶: ۱۱۔ متی ۱۵: ۳۶) ان آیات سے ظاہر ہے کہ روٹیوں اور مچھلیوں میں اعجازی طور پر دوران تقسیم اضافہ ہوتا گیا اور لوگ جس قدر چاہتے تھے حسب ضرورت کھاتے گئے ۔ اسی طرح قانائے گلیل میں پانی اعجازی طور پر دوران تقسیم تبدیل ہو کر انگور کا رس بنتا گیا اور مہمان جس قدر چاہتے تھے" حسب ضرورت پیتے گئے۔ جب کمی پوری ہوگئی تو پانی کا تبدیل ہونا بھی بند ہو گیا اور مٹکوں میں جو پانی بچ رہا وہ" یہودیوں کی طہارت کے دستور کے مطابق" استعمال میں آیا۔

(۶)

چونکہ یہاں ہم مخالفین مسیحیت پر اتمام حجت کرنا چاہتے ہیں پس لگے ہاتھوں اس بحث کو پورا کرنے کے لئے ہم میر مجلس کے اس قول کو بھی سمجھائے دیتے ہیں جو آیت ۱۰ میں مندرج ہے ۔" میر مجلس نے دولہا کو بلا کر اس سے کہا کہ ہر شخص پہلے اچھی مے پیش کرتا ہے اور ناقص اس وقت جب پی کر چھک گئے مگر تو نے اچھی مے اب تک رکھ چھوڑی ہے"۔

اول ۔ یاد رکھنا چاہیے کہ میر مجلس کا یہ قول محض عامیانہ ہے جس میں ایک ایسے دستور کا بیان ہے جو رذیل گھرانوں میں ہوتا ہو گا۔ ان بازاری الفاظ سے کوئی صحیح العقل شخص یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ شریف یہودی گھرانوں میں مدعوشدہ مہمان پی کر" چھک" جاتے تھے۔ بالخصوص یہ خاندان جس میں ام المومنین مقدسہ مریم اور منجئی عالمین جیسی پاک ہستیاں مدعو کی گئی تھیں گو غریب سہی پر شریف تو تھا پس کوئی حقیقت پسند شخص میر مجلس کے بازاری اور عامیانہ الفاظ سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ" یہ مجلس شراب خوری کی تھی"۔

[1] J.E. Carpenter, The Johanine Writings p.379 note

دوم- خودمیر مجلس کا قولِ اس بات کا شاہد ہے کہ اس کے قول کا اطلاق موجودہ محفل پر نہیں ہوسکتا کیونکہ خود اس کے الفاظ بھی اس عام دستور میں اور موجودہ مجلس میں امتیاز کرتے ہیں اور صاف نتیجہ نکلتاہے کہ کم از کم اس محفل کے مہمان پی کر"چھک" نہیں گئے تھے۔

سوم- ہم باب چہارم میں لکھ چکے ہیں کہ جس لفظ کا ترجمہ" پی کر چھک گئے" کیا گیا ہے وہ "میتھیوسما" کا فعل ہے جو بالکل الگ شے ہے۔ جس کے لئے عبرانی میں لفظ"تیروش" آیا ہے۔ جو ایک نشہ آور چیز" ہے اور جس کی" بائبل میں حرمت" کا خود اقبال ہے(صفحہ ۹۰) پر جوشے آنخداوند نے بنائی وہ" میتھیوسما" نہ تھی بلکہ "اوینوس" تھی۔لہذامیر مجلس کا قول خودآنخداوند کی بنائی ہوئی شے اور دوسری شے میں تمیز کرتاہے۔

چہارم- ہم کو یقین ہے کہ معترضین کی اپنی عقل اس بات کو قبول نہیں کرسکتی کہ حضرت کلمتہ اللہ (جن کو وہ خدا کا فرستادہ مانتے ہیں) ایک ایسی مجلس میں نہ صرف رونق افروزہوں بلکہ وہ اپنی اعجازی طاقت کے ذریعہ کثرت سے " شراب" بنا کر اس قسم کی بداعتدالی کے خودہی موجب ہوں پس ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ وہ کیوں حضرت روح اللہ پر ایسے اعتراضات کرتے ہیں جن کو ماننے کی ان کا اپنا ایمان اجازت نہیں دیتا اور جن کو نہ ان کے مخاطب مانتے ہیں؟ ایسے نام نہاد ایمان فروش مولویوں کے اس ناپاک رویہ کی وجہ سے مسلمانوں اور عیسائیوں کے باہمی تعلقات قرآن کے اصلی منشاء کے مطابق خوشگوار (مائدہ آیت ۸۵) ہونے کے بجائے ایک مسلسل آویزش کی صورت اختیار کررہے ہیں۔

مامریداں روبسوئے کعبہ چوں آریم چوں

روبسوئے خانہ خمار وارد پیر ما؟

معجزات مسیح آیات اللہ ہیں

انجیل نویس قانائے گلیل کے معجزاہ کے لئے لفظ" معجزہ" استعمال نہیں کرتا اگرچہ اردو ترجمہ "انجیل آیت گیارہ میں یونانی لفظ" سیمائی اون"σημειων کا ترجمہ غلطی سے "معجزہ" کیا گیا ہے۔ اس لفظ کا صحیح ترجمہ" نشانی" ہے چنانچہ آیت کا عربی ترجمہ ملاحظہ ہو"ھذا فعل یسوع بدلا یات فی قانا الجلیل وظھر مجدووامن بہ تلامیذ"۔ پس اس آیہ شریفہ کا یہ مطلب ہے کہ یہ پہلا معجزہ ایک "نشانی" تھا جس کو حضرت کلمتہ اللہ نے دکھلا کر" اپنا جلال ظاہر کیا"۔ اورآپ کے شاگردآپ پر "ایمان لائے"۔

ہم مولوی صاحب سے پوچھتے کہ کیا قرآن وانجیل کے مطابق نبوت کا" نشان" یہی ہے کہ نبی" مجلس شراب خوری" میں شریک ہواور شراب کو اعجازی طاقت خداداد سے بنائے اور خود اس قدر پیئے کہ اس کے اثر سے متوالاہو کرماں کی" سوادبی" کرے اور ساقی بن کر بادہ گساروں کو جام بھر بھر شراب پلائے اور ساغر ومینا کا دور چلائے ؟آپ نے کچھ تو غور کیا ہوتا کہ آیا اس قسم کے طرز عمل سے کوئی نبی" اپنا جلال ظاہر" کرسکتا ہے اور کوئی سمجھ دار شخص اس قسم کے کام کرنے والے پر"ایمان" لاسکتا ہے ؟ ہر گز نہیں۔ لیکن انجیل جلیل کے الفاظ نہایت واضح ہیں کہ اس نشان کو دکھلا کر حضرت کلمتہ اللہ نے اپنا جلال ظاہر کیا اورآپ کے شاگردآپ کی نبوت پر ایمان لائے (آیت ۱۱)اگر مولوی صاحب اس جلال کی حقیقت کی جھلک دیکھنا چاہتے ہیں تو وہ یوحنا ۱: ۱۴- لوقا ۹: ۲تا ۳- ۲پطرس ۱: ۱۶تا ۱۷- ۱یوحنا ۱: ۱تا ۴، ۱۴- یوحنا ۱۷: ۲۲، ۲۴- ۱۱: ۴- کا تدبر اور غور" سے مطالعہ کریں اور عہد عتیق میں یسعیاہ ۴۰: ۵- حزقی ایل ۳۹: ۲۱ وغیرہ کو دیکھیں ۔کیونکہ ان آیات کے الفاظ کو ابن اللہ نے اپنی زندگی میں اقوال وافعال کے وسیلے پورا کیا پس آپ کا یہ اعتراض بے بنیاد ہے۔

(۲)

مقدس یوحنا انجیل نویس ہم کو بتلاتاہے کہ اس نے حضرت کلمتہ اللہ کے ہزاروں معجزات میں سے صرف چند ایک کا ہی ذکر کیا ہے(۲: ۳۰) پس جن معجزات کا ذکر کیا گیا ہے وہ کسی خاص مقصد کے تحت چنے گئے ہیں۔ وہ مقصد کیا تھا؟

اگر مولوی صاحب نے انجیل کی " تلاوت " کی ہوتی اور " قرآن میں گھری نظر سے غور" کیا ہوتا (صفحہ ۱۴۹) تو آپ کو معلوم ہوجاتا کہ دونوں الہامی کتابیں حضرت کلمتہ اللہ کے معجزات کے لئے ایک ہی لفظ یعنی" نشانی" استعمال کرتی ہیں۔ چنانچہ قرآن میں حضرت روح اللہ اپنے معجزات کی نسبت اہل یہود کو فرماتے ہیں کہ إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ یعنی بلاشبہ میرے ان معجزات میں نشانی ہے واسطے تمہارے اگر تم ایمان والے ہو(آل عمران آیت ۴۳) اگرآپ نے اس قرآنی آیہ شریفہ پر" تدبروغور" کیا ہوتا تو آپ کو معلوم ہوجاتا کہ قرآن کامطلب " نشانی" سے بعینہ وہی ہے جو انجیل کا مفہوم ہے(آیت ۱۱) یعنی جو معجزات آنخداوند کرتے تھے وہ اس بات کا "نشان" دیتے تھے کہ ان معجزات کے کرنے والا کس قسم کا انسان ہے۔ یعنی وہ آنخداوند کے جذبات، خیالات، محسوسات اور وارداتِ قلب غرضیکہ آپ کی شخصیت کے مظہر تھے۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ ان کو دیکھ کرآپ پر "ایمان" بھی لاتے تھے حضرت کلمتہ اللہ کے سب کے سب معجزات پُر معنی نشان تھے جو لوگوں کے اذہان کو روحانی حقائق کی جانب منتقل کرتے تھے۔ یہ معجزات بذاتِ خود ایسے ہم نہیں تھے جیسے وہ روشن حقائق جن کی جانب ان کے ذریعہ توجہ منعطف ہوتی تھی اور جن کی یہ خبر دیتے تھے۔ مثلاً پانچ ہزار کو کھلانے کے معجزہ سے لوگوں پر یہ ظاہر ہوگیا کہ سیدنا مسیح زندگی کی روٹی ہیں(۶: ۱، ۵۹)جنم کے اندھے کو بینائی دینے (۹ باب) سے ہر خاص وعام پر یہ روشن ہوگیا کہ آنخداوند دنیا کے نور ہیں(۸: ۱۲) لعزر کو مردوں میں سے زندہ کرکے (یوحنا ۱۱ باب) آپ نے سب دیدہ وروں پر ظاہر کردیا کہ آپ" قیامت اورزندگی" ہیں(۱۱: ۲۵)۔

حضرت ابن اللہ نے پانی کو طاقت دینے والے انگور کارس بنا کرعالم وعالمیان پراس حقیقت کو منکشف کردیا کہ یہودیت کا خم خانہ خالی ہوگیا اوراب آپ اس نئے عہد کے بانی ہیں جوانسان ضعیف البنیان کو طاقت اور قوت دے کر اس کو دنیا کے ہوادہوس "گناہ اورشیطان پر غالب آنے کی توفیق بخشتا ہے(۱: ۱۵ تا ۱۸ ۔ متی ۲۶: ۲۶ تا ۲۸) یہ صحیح تفسیر سورہ عمران کی مذکورہ بالاآیات کی یہودیت کی رسمی عبادت وغیرہ کو دیکھ کر عاشقان بادہ الہیٰ کہتے تھے۔

سچ کھدوں اے برہمن گر تو برا نہ مانے تیرے صنم کدوں کے بُت ہوگئے پرانے
تنگ آکے میں نے آخر دیروحرم کو چھوڑا واعظ کا وعظ چھوڑا چھوڑے تیرے فسانے
سُونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی آ۔اک نیا شوالہ اس دیس میں بنادیں

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کا قول آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ قال لمہ نفھمہ المعانی کذالک بنعیس لک من ابرالافی قشرہ یعنی اگر تم مطالب قرآن کو اس طرح نہیں سمجھتے تو تم کو قرآن سے صرف اس کا چھلکا ہاتھ آیا ہے ۔ جس طرح بہائم کو گیہوں میں سے صرف بھوسی ہاتھ آتی ہے۔

(۳)

یہ انجیل نویس کلمتہ اللہ کے معجزات کے لئے اور لفظ استعمال کرتا ہے یعنی"کام" (یوحنا ۵: ۳۶۔ ۱۰: ۳۷تا ۳۸) جس سے اس کے لفظ " نشانی" کے مفہوم پر روشنی پڑتی ہے۔ اگرہم مذکورہ بالا صحیح اصول تفسیر کے مطابق ان تمام مقامات کا" تدبر اور غور" کے ساتھ مطالعہ کریں جہاں اناجیل اربعہ میں یہ الفاظ مستعمل ہوئے توہم پر واضح ہوجائیگا ۔ کہ انجیل نویسوں کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہمارے کام ہماری رخصت عادت اور شخصیت کی نشان دہی کرتے ہیں اسی طرح کلمتہ اللہ کے معجزات آپ کی ذات وصفات کی نشان دہی کرتے ہیں (متی ۱۱: ۲تا ۵)چنانچہ آپ نے فرمایا "اگر میں اپنے باپ کے کام کو نہیں کرتا ۔ تو میرا یقین نہ کرولیکن اگرمیں کرتا ہوں تو ان کاموں کا یقین کروتا کہ تم جانواور سمجھو کہ باپ مجھ میں ہے اور میں باپ میں ہوں"(یوحنا ۱۰: ۳۷تا ۳۸) آنخداوند کے معجزات محبت رحم اور ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور یہ نشان دیتے ہیں کہ ان کاموں کا کرنے والا محبت مجسم

ہے۔ آنخداوند کا ہر مسیحائی دم خدا کی ذات کی نسبت نشان دہی کرتا ہے(یوحنا ۴: ۳۴۔ ۱۷: ۴وغیرہ) اور بنی نوع انسان پر واضح ہوجاتا ہے کہ خدا محبت ہے اور حضرت کلمتہ اللہ اس لازوال اورازلی اورابدی محبت کے مظہر ہیں۔ "خدا کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ اکلوتا بیٹا جو باپ کی گود میں ہے اسی نے ظاہر کیا"(یوحنا ۱: ۱۸) اسی نکتہ کو سمجھانے کے لئے مقدسہ مریم اور منجئی عالمین کی نسبت قرآن میں وارد ہوا ہے وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ یعنی اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے مریم کو اوراس کے بیٹے کو دنیا جہان کے لئے نشانی بنایا(انبیاء ۹۱) یعنی خدا نے حضرت روح اللہ کو دنیا میں اس غرض سے بھیجا تا کہ آپ کے خیالات ، جذبات اور افعال خدا کی نشان دہی کا کام دیں۔ اور دنیا کو ان کے ذریعہ یہ علم ہوجائے کہ خدا کس قسم کا خدا ہے۔ اس قرآنی آیت کی تفسیر انجیل یوحنا میں درج ہے جہاں حضرت کلمتہ اللہ فرماتے ہیں "اگر تم نے مجھے جانا ہوتا تو میرے باپ کو بھی جانتے۔ اب تم باپ کو جانتے ہو اوراسے دیکھ لیا ہے ----- جس نے مجھے دیکھا اس نے باپ کو دیکھا ----میں باپ میں ہوں اور باپ مجھ میں ہے"(۱۴باب)دیکھئے۔ قرآن میں کس طرح "سلیس عربی زبان میں بائبل کی تفصیل موجود ہے(شعراء آیت ۱۹۳، انعام ۱۵۶، یونس ۳۸وغیرہ)۔

مولوی صاحب کی کتاب کو زیور اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہونا چاہیے تھا۔ لیکن ہمیں افسوس ہے کہ یہ کتاب ہر قسم ک اخلاقی خوبیوں سے معراء ہے۔ اس میں آنخداوند کی ذاتِ قدسی صفات پر بار بار ایسے سوقیانہ حملے کئے گئے ہیں جو کسی کلمہ گو مسلمان کے لئے جو اللہ پر اس کے رسولوں پر اوراس کی کتابوں پر ایمان رکھتا ہو کسی طرح جائز نہیں۔ یہ کتاب ایسی دل آزار ہے کہ قانون کی زد میں آتی ہے۔ لیکن ہم جو مسیحی ہیں، مسلمانوں کا سا رویہ اختیار کرکے گورنمنٹ پر زور نہیں دیتے کہ وہ مقدمہ چلائے۔ ہاں اگر پنجاب میں اسلامی گورنمنٹ ہوتی تو وہ خود اس کتاب کا نوٹس لیتے۔

کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسر
انالحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ۔

مولوی صاحب کے لغو اور لایعنی اعتراضات آپ کے اس قول کو سچ ثابت کرتے ہیں کہ" جاہلوں کے ہاتھوں سے یسوع مسیح نہیں بچ سکتا"اسلام اور مسیحیت صفحہ ۱۶۵)

آپ نے اس قسم کے اعتراض کرکے عیسائیوں کی دل فگاری میں کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہیں کیا۔ لیکن آپ کے سے دل آزار اعتراضات کی نسبت حضرت سلیمان فرماتا ہے کہ ۔ یہ ایسے ہیں" جیسا پرندہ ہوا میں اڑتا ہے اوراس کی رفتار کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ بلکہ جس ہوا پر اس کے پروں کا صدمہ پڑا تھا۔ اور جسے اس کے پھڑ پھڑاتے ہوئے بازو چیرتے ہوئے گذر گئے۔ اس میں بعدہ اس کے گزرنے کا نشان بھی پایا نہیں جاتا ۔ یا جیسے تیر نشانہ کی طرف چھوڑا جاتا ہے اور جس ہوا کو چیرتا ہوا جاتا ہے وہ درا گل جاتی ہے۔ یہاں تک کہ لوگوں کو خبر نہیں ہوتی کہ کس راستہ سے کیا"(کتاب الحکمت ۵: ۱تا۱۲)۔

اعتراض کرنے کے جنون میں آپ قرآن بھول گئے جس میں وارد ہے۔ يُرِيدُونَ لِيُطْفِؤُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ یعنی آپ جیسے لوگ اللہ کے نور کو منہ کی پھونکیں مار کر بجھانا چاہتے ہیں۔ لیکن اللہ اپنے نور کو پورا کرتا ہے۔ خواہ کافر اس بات کو ناپسندی ہی کریں(سورہ صف آیت ۸)

اس قسم کی ستاخانہ تحریرات کی وجہ سے عیسائیوں نے بیزار ہو کر قادیانیوں کو منہ لگانا چھوڑ دیا ہے۔ ہم معترضین کو خلوصِ دل سے نصیحت کرتے ہیں۔

چوں نداری کمال فضل آں بہ — کہ زبان دردہاں نگہ داری
آدمی رازباں فضیحت کر — جوزبے مغز راسبکساری

خدا کرے کہ معترضین اپنے لایعنی اعتراضوں اور ناپاک حملوں سے توبہ کریں

حیرتے دارم زادنشمند مجلس باز پُرس
توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر میکنند؟